Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 15/•شمارہ 4/•نومبر/2025

ماہنامہ

# فہمِ دین

## زمین کے آنسو

## نااتفاقی کی نحوست

# دستورِ نجات صرف اسلام

## شکر کا کلمہ

## بڑے ابّا

## چمکتی آنکھیں

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM YOUTH SOCIETY

The City Tiles

BAITUSSALAM OLYMPIAD'25

CELEBRATING THE SPIRIT OF UNITY

Powered by FAV Group of Companies

## A PROJECT OF BAITUSSALAM

# PAKISTAN'S LARGEST INTERSCHOOL EVENT

## 6TH – 16TH NOV

**Title:** The City Tiles

**Powered by:** FAV Group of Companies

**Hosting Partner:** The Intellect School – Building Character

**Diamond:** Fruiti-O – Nectars & Fruit Drinks; Shangrila – The Food Experts!; Power Cement; Multidecor – House of Interiors

**Platinum:** Food Centre; Falaknaz Group

**Gold:** nisum; Arkadians; Roomi Builders – Building Your Dream

**Silver:** Pioneer Cables Ltd; Eva; Sveston; Rivayat; OK Estate & Builders; Benitoz Homes; Young's

**Bronze:** faysalbank; Zaiby; Bank Alfalah Islamic; UBL Ameen; Advance Telecom; Starwood Properties; Meezan Bank – The Premier Islamic Bank; WASA; J.; Chapri Group; Arabian Jewellers; Perfect; Europrofilo; Safari Water Bottle; King's Group – Builders & Developers; SPAR; shoop; Craft – Builders & Developers

**Fitness Partner:** Trifit

**Media Partner:** nukta

**Stall Partner:** OD; Al-Meezan

**Tea Partner:** Alpha

**Tech Partner:** astrik – Digital. Done. Differently!

**Energy Drink Partner:** Drift

BAITUSSALAM

ماہ نامہ

# فہمِ دین

کراچی

نومبر 2025ء | جمادی الاولی/ جمادی الاخرہ 1447ھ

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر: قارئ عبدالرحمٰن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

## فہم و فکر

| | | |
|---|---|---|
| نا اتفاقی کی نحوست | مدیر کے قلم سے | 04 |

## اصلاحی سلسلہ

| | | |
|---|---|---|
| فہمِ قرآن | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم | 05 |
| فہمِ حدیث | مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ | 06 |
| آئینہ زندگی | حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ | 08 |

## مضامین

| | | |
|---|---|---|
| مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اقبال کی نظر میں | عذرا خالد | 10 |
| خوش گوار ازدواجی زندگی | شاکرہ حافظ یاسین | 11 |
| بڑے ابا | ام محمد عبد اللہ | 12 |
| انگور | حکیم شمیم احمد | 14 |
| تبذیر اور اسراف | نبیل احمد خان | 16 |
| رشتوں کا انتظار | محمد حمزہ صدیقی | 18 |
| جمادی الاولی تلفظ اور املا کی اصلاح | محمد عفاف | 18 |
| لباسِ خاص | بنت ایوب مریم | 19 |
| سچائی و دیانت داری | حفصہ سلطان | 20 |
| گمراہی سے واپسی | ارشد وحید | 21 |

## خواتینِ اسلام

| | | |
|---|---|---|
| شکر کا کلمہ | ام محمد سلمان | 23 |
| زمین کے آنسو | حفصہ محمد فیصل | 24 |
| انمول نیکی | انیسہ عائش | 25 |
| سوشل میڈیا اور ہماری زندگی | مریم رضوان | 26 |
| تنہائی | مہوش اسد شیخ | 28 |
| رسمِ دنیا | میر جواد تالپر | 29 |
| نورِ ہدایت | نادیہ عنبر لودھی | 31 |
| رسوم و رواج اور ہمارا زوال | سیماب ثر | 32 |
| چمکتی آنکھیں | مہابہ غازی | 33 |

## باغیچہ اطفال

| | | |
|---|---|---|
| چور دروازہ | قانتہ رابعہ | 35 |
| شرارت کا انجام | آمنہ عبد الباسط | 37 |
| خزاں کا موسم | ماریہ جبران | 38 |
| دانتوں کی صفائی | ڈاکٹر قدسیہ | 38 |
| جنت کا پھول | آمیلیہ فلک | 39 |
| عزم | فاکہہ قمر | 39 |

## بزمِ ادب

| | | |
|---|---|---|
| ہم پہ ہوا کتنا کرم | حافظہ وسطی چودھری | 42 |
| سب ایک ہو جاؤ | حافظہ سویرا چودھری | 43 |

## اخبار السلام

| | | |
|---|---|---|
| اخبار السلام | ادارہ | 50 |

مدیر کے قلم سے

# نااتفاقی کی نحوست

پاکستان اپنے قیام سے پہلے ہی اسلام دشمنوں کی نظروں میں کھٹکنا شروع ہو گیا تھا۔اس کی وجہ اساسِ پاکستان کے لیے لگایا جانے والا نعرہ تھا۔لاالہ الااللہ کا مطلب یہی تھا کہ یہاں صرف اللہ ربُّ العالمین اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی چلے گی، چناں چہ یہود کی اس امت سے وہ ازلی دشمنی پھر جاگ اٹھی اور اس نے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ مسلمان قوم عادتاً پیاس لگنے پر کنواں کھودنے کی قائل ہے اور پیاس بجھانے کے بعد کنواں بند کرنے میں بھی حرج نہیں سمجھتی۔اسے یہی ہوتا ہے کہ کنواں ہی تو کھودنا ہے، پھر کھود لیں گے۔ایسے ہی ہر کام وقت آنے، سر پہ پڑنے پر کیا جاتا ہے، لیکن یہود کم بخت سینکڑوں سال بعد کا سوچتے ہیں اور ان کا مشن ہے غلبہ! اس غلبے کے لیے وہ سینہ بسینہ اپنی دشمنیاں اور اپنے پروگرام بچوں کو منتقل کرتے ہیں اور ہر آنے والی نسل اپنے آباؤاجداد کا مشن نہ صرف سینے سے لگائے رکھتی بلکہ وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر عمل بھی کرتی ہے۔

یہودیوں نے ہمیشہ سے یہ بھی وتیرہ بنا رکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گروہ ترتیب دیے جائیں اور فتنہ فساد پھیلانے کا کام ان کے ذمے لگایا جائے، معیشت اور تجارت پہ اپنا قبضہ رکھا جائے، لوگوں کی ضروریات اور سہولیات کو نئی نئی پیش کش کے ساتھ مشہور کرنا اور پھیلانا اور اس سب کے بدلے ان کی جیبوں پہ ہاتھ صاف کرنا ہمیشہ ان کے پروگرام میں شامل رہا ہے، چناں چہ بہ ظاہر ایک چھوٹی سی ریاست جنگی قوت معیشت وتجارت سمیت پوری دنیا پہ دھاک بٹھائے بیٹھی ہے کہ آج سپر پاور کہلانے والا امریکا یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اگر مغربی کنارے پہ قبضہ رہا تو اسرائیل امریکی حمایت سے محروم ہو جائے گا، لیکن اسرائیل اپنے عزائم سے باز نہیں آ رہا۔وہ امریکا کو بھی خاطر میں نہیں لا رہا۔سب کی کمزوریوں پہ یہودیوں کی گرفت ہے اور یہود کے چیلے چانٹے وظیفہ خور مطلبی اور مفاد پرست دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور امتِ مسلمہ کی جڑیں کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔

دیکھا جائے تو پاکستان ایسے ہی مشکل حالات میں قیادت کے لیے وجود میں آیا تھا، لیکن آج اسے اپنی جان اور حفاظت کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔معیشت سنبھلنے میں نہیں آ رہی۔ پاکستان کے مقروض ہونے کا نعرہ لگانے والے یہ جانتے ہیں کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں جن خوف ناک قرضوں میں جکڑی ہوئی ہیں، اس کے سامنے پاکستان پر قرضہ کچھ بھی نہیں، لیکن بات صرف قرض کی ہوتی تو خیر تھی۔ترقی یافتہ ممالک قرض لے کر ترقی کا سفر طے کرتے ہیں اور ہم قرض لے کر تنزلی کی جانب دوڑتے ہیں، قرض لے کر عیاشیاں کرتے ہیں، پھر اپنے ہاں کچھ بنانے اور زرِ مبادلہ کمانے کی سوچ بھی اتنی محدود ہے کہ اس سے آنے والی آمدن اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر بھی نہیں۔چلیے، اس مشکل کا بھی حل نکل ہی جاتا، لیکن یہاں کی سب سے بڑی مشکل آپس میں نااتفاقی ہے۔آزاد کشمیر، گلگت بلتستان، سندھ، پنجاب، بلوچستان اور خیبر پختونخوا ایسی ایسی خوف ناک نااتفاقیوں کا شکار ہیں کہ شاید اس سے پہلے ایسی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہاں ان کی تفصیل بیان کرنا نہ تو مقصد ہے نہ موقع۔ایسی قوم جس کا ایک پڑوسی اس کا ازلی دشمن ہو اور ہزاروں میل دور بیٹھا ایک اور ازلی دشمن اس پڑوسی کا یار بنا ہوا ہو اور ان دونوں کی فطرت میں دغا بازی مکاری عیاری رچی بسی ہو اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے دینا وہ ناقابلِ معافی جرم سمجھتے ہوں، اس دشمن کے ہوتے ہوئے آپس میں دست و گریباں ہونے کا تو خیال بھی نہیں آنا چاہیے، لیکن ایسا لگتا ہے ان کی زندگی کا مقصد ہی آپس میں لڑنا ہے۔

جس ملک میں زمینیں سونا اپنے اندر لیے بیٹھی ہوں، وہ ملک مقروض ہو۔۔۔جس کی زمینیں اس کی معیشت کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے بے تاب ہوں، وہ غیروں کے ہاتھ پھیلائے کھڑا رہے، بلکہ اسے ان زمینی خزانوں کو حاصل کرنے کے لیے سرمایہ کاری کے لیے بھی بھتا دینا پڑتا ہو، ایسی قوم کا وجود ہی غنیمت سمجھا جا سکتا ہے۔دیکھا جائے تو یہ ایک اس نااتفاقی کی نحوست ہے، جو آج ہمارے ذہنوں، دلوں، عادات اور مزاج پر قابض ہو گئی ہے، جس نے ہماری سوچ اتنی محدود کر دی ہے کہ میری پارٹی، میرا صوبہ، میری زبان، میری قوم بلکہ آگے بڑھ کے میرا قبیلہ، میرا خاندان، میرا ادارہ اور میرا گھر تک پہنچ چکی ہو اور ساری توانائی اس میری میری اور میرے میرے کو منوانے اور جتلانے جلانے پر خرچ ہو رہی ہو اور ساری قوت ساری صلاحیت تیری تیری اور تیرے تیرے کو فنا کرنے کے لیے وقف ہو گئی ہو، اس کو قوم کہلانے پہ شرم آنی چاہیے۔

پاکستان کی ایک اور کمزوری سے ملک دشمن طاقتیں پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں اور وہ ہے بے روزگاری! کہیں سیاست، کہیں مذہب اور کہیں قومی لسانی عصبیت کے لیے افراد مل جاتے ہیں، تھوڑا سا جیب خرچ بھی کافی ہو جاتا ہے اور کچے ذہنوں کی ایسی ذہن سازی اور ان پر ایسی محنت کی جاتی ہے اور بے لگام سوشل میڈیا جلتی پہ تیل کا کام کیے جا رہا ہے،

اس طرح ہر مشکل بڑھتی چلی جا رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار سنبھلنے کا موقع دے رہے ہیں، ایک ہونے، مضبوط ہونے کے مواقع مل رہے ہیں۔ نااُمید نہیں ہونا چاہیے، دعا کرنی چاہیے۔اللہ ہمیں ایسی مضبوط قیادت عطا فرما دیں جو اللہ کی مدد سے اس کے نام پر ہم سب کو ایک لڑی میں پرو دے، اتحاد اتفاق کا ایسا مظہر بنا دے جو امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کے غلبے کا سبب بن جائے۔آمین!!

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

# فہمِ قرآن

الانعام 106-109

إِتَّبِعْ مَآ أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ 106

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی گئی ہے، تم اس کی پیروی کرو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اُن سے بے پرواہو جاؤ۔ 106

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ 107

ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ ہم نے نہ تمھیں ان کی حفاظت پر مقرر کیا ہے اور نہ تم ان کے کاموں کے ذمہ دار ہو۔ 107

تشریح نمبر 1: پیچھے آیت نمبر 34 میں بھی یہ مضمون آچکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنادیتا، لیکن در حقیقت انسان کو دنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بھرے پڑے ہیں اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لیے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے دل میں حق کی طلب ہو۔

تشریح نمبر 2: چوں کہ آنحضرت ﷺ کفار کے طرزِ عمل پر مغموم رہتے تھے، اس لیے آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ 108

ترجمہ: (مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں، تم اُن کو بُرا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔ (اس دنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اُس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے، پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ اُنھیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ 108

تشریح نمبر 3: اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و مشرک لوگ خدا مانتے ہیں، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے اُن کے لیے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم ہوگے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے، اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔ اس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ اگر کوئی کام بذاتِ خود تو جائز یا مستحب ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کرے گا تو ایسی صورت میں وہ جائز یا مستحب کام چھوڑ دینا چاہیے۔ تاہم! اس اصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائز نہیں ہے جو فرض یا واجب ہو۔ یہاں یہ بھی واضح ہے کہ اہلِ عرب اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اصل میں تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن ضد میں آکر ان سے ایسی حرکت سرزد ہو جانا کچھ بعید نہیں تھا، چناں چہ بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات کہی تھی کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بُرا کہو گے تو ہم آپ کے رب کو بُرا کہیں گے۔

تشریح نمبر 4: یہ درحقیقت ایک ممکن سوال کا جواب ہے اور وہ یہ کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں تو اُن کو دُنیا ہی میں سزا کیوں نہیں دے دی جاتی؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دنیا میں تو ان لوگوں کی ضد کی وجہ سے ہم عمل کو بہت اچھا سمجھ رہے ہیں، لیکن آخر کار ان سب کو ہمارے پاس لوٹنا ہے۔ اس وقت انھیں پتا چل جائے گا کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے، اس کی حقیقت کیا تھی۔ 109

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ 109

ترجمہ: اور ان لوگوں نے بڑی زوردار قسمیں کھائی ہیں کہ اگر ان کے پاس واقعی کوئی نشانی (یعنی ان کا مطلوب معجزہ) آگئی تو یہ یقیناً ضرور ایمان لے آئیں گے۔ (ان سے) کہو کہ ساری نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں اور (مسلمانو!) تمھیں کیا پتا کہ اگر وہ (معجزے) آ بھی گئے، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

# فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

## نماز میں قرأتِ قرآن

### ظہر و عصر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُوْلَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا وَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى مَا لَا يُطِيْلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِي الصُّبْحِ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ اور کبھی کبھی (سرّی نماز میں بھی) ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے اور پہلی رکعت میں طویل قرات فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے اور اسی طرح عصر میں اور اسی طرح فجر میں آپ ﷺ کا معمول تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی سرّی نماز میں ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالبًا ایسا کبھی غلبۂ استغراق میں ہو جاتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کبھی بقصد تعلیم ایسا کرتے ہوں۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورت پڑھ رہا ہوں یا اپنے اس عمل سے یہ مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر سرّی نماز میں ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَطْوَلَ مِنْ ذَالِكَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۃ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى پڑھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى پڑھتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی قریب قریب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل (صحیح مسلم)

### نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانَ (رواه النسائي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ حمٓ الدّخان پڑھی۔ (سنن نسائی)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت اُمّ الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْأَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِيْ رَكْعَتَيْنِ (رواه النسائي)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوری سورۂ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کرکے پڑھی۔ (سنن نسائی)

تشریح: ان چاروں حدیثوں میں نمازِ مغرب میں جن سورتوں کی قرات کا ذکر ہے، ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے، جن کو ''قصار'' کہا جاتا ہے، بلکہ سب اُن بڑی سورتوں میں سے ہیں، جن کو ''طوال'' کہا جاتا ہے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی آخری حدیث میں جس سورۂ اعراف کی قرات کا ذکر ہے وہ تو پورے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہر حال! ان چار حدیثوں میں تو نمازِ مغرب میں رسول اللہ ﷺ کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے، لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپ کا اکثر معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لیے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نمازِ مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں اور آپ کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی قرات کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔ واللہ اعلم

Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے،
لیکن وہ گزرے دن اور خالص ذائقے، آج بھی یاد دلاتا ہے، شنگریلا اچار
گھر جیسا اچار چٹخارے دار...
Zip Lock
Shangrila
MANGO PICKLE IN OIL
آم کا اچار تیل میں
Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
MIXED PICKLE IN OIL
مکس اچار تیل میں
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

# دستورِ نجات صرف اسلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! صبر کرو، استقامت دکھاؤ اور دوسروں کو بھی صبر اور استقامت کی دعوت اور اس کی تلقین کرو اور اپنے مورچوں پہ ہوشیار، چوکنا اور بیدار رہو۔“ مورچے دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو فوجی اور زمینی مورچہ کہلاتا ہے۔ غیرت مند قوموں کے لیے یہ بھی بہت اہم ہوتا ہے، جس پر وہ جانیں نثار کر دیا کرتے ہیں اور دوسرا مورچہ۔۔۔ وہ مورچہ معنوی مورچہ ہوتا ہے اور وہ ایمان کا اور دین کا اور مسلمانوں کے تشخص کا اور مسلمانوں کی غیرت اور مسلمانوں کے شعائر کا مورچہ ہوتا ہے۔ پہلے مورچے کے اندر پسپائی ہو جانا اور شکست ہو جانا، اس پر قوموں کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے لے کر ہمیشہ اس قسم کے مورچوں پر کبھی فتح بھی ہوئی تو کبھی شکست بھی ہوئی ہے، کبھی پسپائی بھی ہوئی ہے، کبھی وہ مورچے واپس بھی لے لیے گئے ہیں۔ اس پر قوموں کی قسمت کے فیصلے نہیں ہوا کرتے۔ اصل مورچہ وہ معنوی مورچہ ہے کہ جب قوم اپنا تشخص اور اپنے عقائد اور اپنے نظریات اور اپنے شعائر اور اپنی دینی تہذیب سے دستبردار ہو جائے، یہ مورچہ ایسا ہے کہ صدیوں اس کی قسمت پر مہر لگ جاتی ہے۔ اس کی ذلت اور پستی ہمیشہ کے لیے لکھ دی جاتی ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں ایک منظر نامہ ہے کہ مسلمانوں کی سوچ کیا ہے؟ ان کے حکم رانوں کا طرزِ عمل کیا ہے؟ عالم طاغوت اور عالم کفر کیا کرنا چاہتا ہے اور کس ڈگر پر وہ جانا چاہ رہا ہے۔۔۔؟

الحمد للہ ہمارا دین کامل ہے، مکمل ہے، ہر زمانے کے لیے رہنمائی دیتا ہے۔۔۔ تو اس منظر نامے کے لیے بھی قرآن میں رہنمائی موجود ہے اور وہ رہنمائی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان پر بھروسا مت کرنا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ
وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ
مِلَّتَهُمْ

یہود و نصاریٰ کبھی تم سے خوش نہیں ہوں گے۔ تم مانتے چلے جاؤ، مانتے چلے جاؤ، جھکتے چلے جاؤ اور ان کے سامنے سجدہ کرتے چلے جاؤ اور ان کے پاؤں پڑتے چلے جاؤ، لیکن یہ نہیں راضی ہوں گے۔۔۔ جب تک کہ تم ان کو ملت قبول نہیں کرو گے، جب تک کہ تم یہود و نصاریٰ کے نظریات اور ان کی وہ تہذیب اور جب تک تم ان کا وہ کلمہ نہیں پڑھو گے، وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ یہ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔

قرآنِ مجید میں مسلمانوں کو رہتی دنیا تک یہ پیغام دیا ہے کہ ہمیشہ بیدار رہنا اور ہمیشہ ہوشیار رہنا عالم کفر، عالم طاغوت اسلامی دنیا میں اپنی تہذیب، اپنا ایجنڈا اور اپنی گندگی پھیلانے کے لیے ہمیشہ اسلامی دنیا میں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کیا کرتا ہے اور بزدل، بے دین، بدکردار اور کرپشن کی گندگی میں لپٹے ہوئے حکم ران مسلط کیا کرتا ہے اور ان کی سپورٹ کرتا ہے اور ان کو مضبوط کرنے کے لیے پھر مسلمان ملکوں میں لہو و لہب، کھیل کود، بے حیائی اور فحاشی اور بے دینی کو فروغ دیتا ہے، تاکہ ان بدکردار حکم رانوں کو سپورٹ رہے۔ عالم کفر اسلامی دنیا میں اپنے ایجنڈے کے نفاذ کے لیے، اپنی گندی تہذیب کو فروغ دینے کے لیے اسلامی دنیا میں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرتا ہے اور ایسے حکم ران کی سپورٹ ہوتی ہے اور اس کی سرپرستی ہوتی ہے جو بدکردار ہو، جو بے دین ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ بے دین اور بدکردار بزدل ہوا کرتا ہے۔ اس کو جھاڑنا، اس کو جھکانا آسان ہوتا ہے۔ وہ منڈیوں میں بکتا ہے، وہ صرف پروٹوکول پہ بکتا ہے، وہ صرف اسٹیٹس پہ بکتا ہے، وہ چند ٹکوں کی مار ہوا کرتا ہے، اسے خوف زدہ کرنا آسان ہے۔ اس سے اپنا ایجنڈا پورا کرنا آسان ہوتا ہے اور پھر یہ عالم کفر ان کے ساتھ مل کر اسلامی دنیا میں ماحول بناتا ہے۔ لہو و لہب کا، کھیل کود کا، غفلت کا اور بے دینی کا، بے حیائی اور فحاشی کا تاکہ ان کے اس بے دینی کے اقتدار کو ہمیشہ سپورٹ رہے۔ آپ پوری اسلامی دنیا کا منظر دیکھ لیں، دو چار کے علاوہ آپ کو پچھلی ایک صدی میں یہی منظر نظر آ رہا ہوگا اور ان کے مسلط ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی ملکوں کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ ان کی بدکرداری، ان کی غلط پالیسی، ان کی غلط گندی سیاست، ان کے عصبیت کے بول، ان کی مفاد پرستی اور اغراض کی تقریریں، انھوں نے ان ملکوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رکھا ہے۔ کہیں عصبیت ہے، کہیں لسانیت ہے، کہیں فرقہ واریت ہے، ہر جگہ مسلمان باہم دست و گریباں اور بے دینی کی انتہا، بے حیائی، فحاشی کا وہ سیلاب جو مغرب سے آیا وہ پوری اسلامی دنیا میں اس وقت اُمڈ رہا۔ لہو و لعب کا ایک تماشا، ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تاکہ یہ قوم اسی غفلت میں رہے۔

یہ طرزِ عمل اسلامی دنیا کے ساتھ۔۔۔! پھر بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات جب مسلمانوں کے کانوں میں پڑتی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی

بات جب مسلمان قوم کے دلوں میں جا کے ٹکراتی ہے تو ان کے اندر پھر بھی کچھ جذبات موجود ہیں۔ آپ دیکھیں گے اس وقت اسلامی دنیا کے حکمرانوں کا طرزِ عمل اور اس پر مسلمان قوموں کا غم و غصہ، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ کافروں میں بھی جن کے اندر کسی درجے کی بھی انسانیت ہے، وہ بھی آج اس ظلم پر سڑکوں پہ ہیں، وہ بھی آج اس درندگی پر سڑکوں پر ہیں، جن میں ذرا بھی انسانیت کا ذرہ موجود ہے، لیکن دوسری طرف آپ مسلمانوں کا حال دیکھیں۔

اور عالم کفر کی ایک سازش آپ نے سنا ہو گا شاید ابراہیمی معاہدہ یہ جو ٹرمپ 2017ء میں اس نے ایک سازشی معاہدہ جاری کیا اور اس کا ایک بہت خطرناک پس منظر ہے، ویسے نام تو بہت اچھا ہے کہ "مسلمان یہودی عیسائی سب ایک خاندان کے ہیں" نام بڑا اچھا ہے۔ ترکی الفیصل جو سعودیہ کا پرانا انٹیلی جنس کا ذمہ دار تھا، اگلے دن کہنے لگا: "الفاظ تو بہت اچھے ہیں، لیکن مراد بڑی خطرناک ہے۔" اسی معاہدے کے تحت وہ چاہتا ہے کہ پس پردہ عنوان کچھ اور دیا جائے، لیکن اس کے ذریعے اسرائیل کو تحفظ دیا جائے اور اسی کے نتیجے میں بحرین نے، متحدہ عرب امارات نے سب سے پہلے اسرائیل کو قبول کیا ہے۔ اب یہ ٹرمپ کا دوسرا دورہ ہے اور اس کے پیشِ نظر وہی معاہدہ ہے۔ یہ جو اس نے 20 نکات پیش کیے ہیں، یہ نکات اسی معاہدے کا پیش خیمہ ہیں۔ وہی اسرائیل کا تحفظ ہے کہ یہ حکمران اپنی قوموں سے ڈرتے ہیں، انھیں کچھ خوف ہے تو انھیں ابراہیمی معاہدے کے تحت لایا جائے اور اسرائیل کو تحفظ دیا جائے اور ایک سیاسی فائدہ اٹھایا جائے کہ چین مشرقی دنیا کی سب سے بڑی طاقت اٹھ کر کھڑی ہو رہی ہے۔ عربوں کو اور اسلامی دنیا کو ملا کر ایک بڑا بلاک بنا کر سیاسی طور پر اپنے استحکام کا سامان کیا جائے۔۔۔ لیکن اس کا ایک بڑا نقصان جس کی اسلامی عقائد میں بالکل گنجائش نہیں، دین اسلام میں جس کی بالکل اجازت نہیں۔۔۔ ایک طرف میں عرض کر رہا ہوں اسرائیل کی درندگی کا تحفظ، اس کی حمایت میں کھڑا ہونا اور اس کی تمام تر درندگی کو نظر انداز کر دینا۔ دوسری طرف غزہ کے مسلمان جو قبلہ اوّل کی خاطر چالیس، پچاس سال سے قربانیاں دے رہے ہیں، نسلوں کو ذبح کروا دیا ان کو نہتا کرنا اور اسلامی دنیا سے انھیں کاٹ دینا بلکہ یوں کہیے کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان درندوں کے منہ کے سامنے ڈال دینا، یہ ایک سازش ہے اس ابراہیمی معاہدے کے تحت، لیکن اس سے بھی اگلی بات اس ابراہیمی معاہدے کے تحت 2017ء سے پوری دنیا میں ایک علمی محنت بھی ہو رہی ہے اور جس میں یہ تاثر عام کیا جا رہا ہے کہ ہم سب ایک خاندان کے لوگ ہیں، تا کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں جو اصول ہیں وہ سب مٹ جائیں، حق اور باطل کا جو فرق ہے اس کا نام و نشان مٹ جائے، جو مسلمانوں کا نظریہ اور عقیدہ ہے کہ قیامت تک ایک واحد نجات کا دستورِ زندگی صرف اسلام ہے، اس نظریے کو ختم کر دیا جائے اور یہ عام ذہنوں میں بٹھایا جائے کہ کسی مذہب کے پیروکار بھی اخروی لحاظ سے کامیاب ہو سکتے ہیں اور یہ قرآن کے منافی ہے كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْاؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًاؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی بن جاؤ ہدایت پا جاؤ گے۔ اللہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ملت کی ہم پیروی کرتے ہیں، وہ تو مشرک نہیں تھے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وہ تو سیدھے سادے مسلمان تھے۔

وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ وہ کبھی مشرکوں میں سے نہیں رہے تو ان یہودیوں کا، ان عیسائیوں کا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ملت سے کیا تعلق۔۔۔؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود فرماتے ہیں قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۚ-اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ٘-كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں تمہارے لیے بڑا واضح زندگی کا نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہارا ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم تم سے بھی اور تمہارے ان نظریات سے بھی برأت کا اعلان کرتے ہیں اور تمہارے اور ہمارے درمیان دشمنی ہے، بغض ہے اور یہ اس وقت تک ہے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔

میرے عزیزو! قرآنِ مجید کا یہ پیغام ہے وَرَابِطُوا مسلمانو! اپنی دینی معنوی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔ فوجی سرحد، زمینی سرحد اس کی شکست سے قوموں کی قسمت کے فیصلے نہیں ہوتے۔ اس جگہ پے تو شکست بھی ہوتی ہے، فتح بھی ہوتی ہے۔ کسی مورچے سے پسپائی بھی ہوتی ہے اور واپس بھی لے لیا جاتا ہے، لیکن جب قومیں اپنے عقائد سے، اپنے تشخص سے، اپنے دین سے، اپنی سچائی سے، اسلامی شعار سے جب دستبردار ہو جایا کرتی ہیں، پھر ان قوموں کی قسمت پر مہر لگ جاتی ہے اور پھر یہ سلسلہ صدیوں تک رہتا ہے۔ ان کی پستی اور ذلت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگ جاتی ہے، اس لیے چکنا رہنا۔ یہ ایک عالمی سازش ہے، لیکن ہمارا دین مسلمانوں کی ہمیشہ رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ کرے ہمیں قرآن سے اور دین سے صحیح رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق ہو، باقی دیگر تمام مذاہب کے ساتھ بقائے امن کے لیے اور آپس کی سلامتی کے لیے بشرطیکہ اس کے اصول انصاف پر مبنی ہوں، بشرطیکہ اس کے اصول عدل پر مبنی ہوں، اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہمارا دین اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ اسلام امن چاہتا ہے، سلامتی چاہتا ہے، تمام مذاہب کے ساتھ چاہتا ہے، لیکن عدل کے ساتھ، انصاف کے ساتھ۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ملکوں میں رہنے والی اقلیت کے لیے اسلام نے وہ حقوق دیے ہیں جو ایک مسلمان کے لیے ہیں کہ جس طرح ایک مسلمان کی جان، مال کی حفاظت ضروری، ایسے اس اقلیت کی بھی جان، مال اور آبرو کی حفاظت ضروری ہے۔ اسلام تو سب سے بڑا داعی ہے امن کا اور سلامتی کا تو اگر اس کے اصول انصاف پر ہوں، عدل پر ہوں تو دین اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

تو میرے عزیزو! دور فتنے کا ہے، بسا اوقات مسلمان سچی خبروں کو لے کر بھی غلط نظریات، غلط سوچ کا قائل ہوتا ہے۔ اللہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ جوڑے رکھے، سچائی پہ جوڑے رکھے اور سچائی کے ساتھ زندگی نصیب فرمائے۔ آمین!!

# مقامِ مصطفیٰ ﷺ اقبال کی نظر میں

عذرا خالد

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہ کا حضور ﷺ سے والہانہ عشق کا اظہار ان کے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے کلام میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اقبالؒ کی انفرادیت ہے کہ انھوں نے مدّحِ رسول اللہ ﷺ کو ایک نئے اسلوب اور نئے آہنگ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اقبالؒ کی تعلیم و تربیت اسلامی اور دینی ماحول میں ہوئی تھی۔ اسلام، انبیا، صلحا، صوفیا اور علمائے کرام سے محبت بچپن سے ہی ان کے خمیر میں رچ بس گئی تھی۔

عشقِ نبی ﷺ اقبال کی شریانوں میں خون بن کر دوڑتا تھا۔

ایک حدیثِ مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

”تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میری محبت تمہارے دل میں اولاد، والدین اور پورے انسانی کنبے کی محبت سے بڑھ کر نہ ہو۔“

اس حدیث کے مفہوم پر علامہ اقبالؒ کا پورا ایمان اور یقین تھا۔ علامہ اقبال محبتِ رسول ﷺ کو ایمان کی بنیاد و اساس تصور کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا نام زبانِ مبارک پر آنے یا کانوں میں پڑتے ہی احساس و شعور میں سوز و گداز کی برقی لہر دوڑ جاتی اور محبتِ رسول ﷺ کی لامحدود دنیا میں کھو جاتے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ذکرِ رسول اللہ ﷺ پر اقبالؒ کے جذبات پر رقّت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ عشقِ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ان کی شاعری کا اہم موضوع تھا۔

علامہ اقبالؒ شاعر ہونے کے ساتھ ہی عظیم مفکر اور فلسفی بھی تھے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں بہترین ادب وسیع تر اسلامی اور سماجی مقاصد نظر آتے ہیں۔ اقبالؒ کے ادبی کلام میں صرف انسان کی جمالیاتی حس ہی محظوظ نہیں ملتی، بلکہ قاری کے عقل اس کی فکر و خیال اور اس کے سماجی اور معاشرتی تصورات پر بھی بھرپور طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اقبالؒ ایک بڑے رتبے کے شاعر ہونے کے ساتھ اسلامی و ملی درد رکھنے اور قومی غیرت سے سرشار سچے مسلمان بھی تھے۔

اقبالؒ نے مسلمانوں کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے اور مسلمانوں کا شاندار ماضی جو امت فراموش کر چکی تھی، اپنے اشعار سے یاد دلانے اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔

اقبالؒ اپنے اردو اور فارسی کلام میں مسلمانوں کو عشقِ محمد ﷺ کا درس دیتے ہیں کہ یہ جذبہ ہی ہے جو ایک مسلمان کے دل کو عشقِ رسول اللہ ﷺ کے لیے قوی تر کرتا ہے۔

اسرارِ خودی میں فرماتے ہیں:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است — آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ است

اس کے ساتھ ہی اقبالؒ امتِ مسلمہ کی حالتِ زار دیکھ کر ان کی نظر بارگاہِ رسالت کی طرف جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذّتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمد (ﷺ)!
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر اپنے عشقِ رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہیں:

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد (ﷺ) کا تمھیں پاس نہیں

اقبالؒ کی شاعری ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور قاری پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ کلامِ اقبالؒ پڑھنے کے بعد ایک بات جو ایک عام قاری کی سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اپنی خداداد صلاحیت کو پہچانے، اس کو بھرپور استعمال کرے اور خدا اور اس کے رسول ﷺ سے والہانہ عشق رکھے۔

اقبالؒ کی طبیعت میں سوز و گداز اور محبتِ رسول ﷺ اس درجہ تک تھا کہ جب بھی ذکرِ رسول اللہ ﷺ ہوتا تو اقبالؒ بے تاب ہو جاتے اور دیر تک روتے رہتے۔ ”روزگارِ فقیر“ میں سیّد وحید الدین لکھتے ہیں:

”اقبالؒ کی شاعری کا خلاصہ اور لبِّ لباب عشقِ رسول اللہ ﷺ اور اطاعتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ ان کا دل عشقِ رسول ﷺ نے گداز کر رکھا تھا۔ زندگی کے آخری زمانے میں یہ کیفیت اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ ہچکی بند جاتی۔ آواز بھرا جاتی تھی اور وہ کئی منٹ سکوت اختیار کر لیتے تھے، تاکہ اپنے جذبات پر قابو پا سکیں۔“

اقبالؒ عشقِ رسول اللہ ﷺ کو احترام سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰ — عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

علامہ اقبالؒ کے بارے میں مشہور محقّق محمد فاضل لکھتے ہیں: اقبالؒ مردِ مومن تھا، وہ خادمِ اسلام تھا۔ وہ عاشقِ قرآن اور سب سے بڑھ کر عاشقِ رسول ﷺ تھا۔

مدینہ منورہ اقبالؒ کے خوابوں کا شہر تھا، جہاں دنیا کی عزیز ترین ہستی آرام فرما رہی ہیں۔ اقبالؒ کی شدید خواہش تھی کہ انھیں حجاز جانے کا موقع ملے تو مدینہ منورہ ہی میں پیوندِ خاک ہو جائیں۔ اقبالؒ کی یہ خواہش بھی آپ ﷺ سے محبت کی دلیل اور قلبی وابستگی کی ایک شکل ہے، جس کا اظہار اقبالؒ ایک شعر میں اس طرح کرتے ہیں کہ

ہست شانِ رحمتِ گیتی نواز — آرزو دارم کہ میرم در حجاز

آپ ﷺ کی شانِ رحمت ایک زمانے کو نوازتی ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ مجھے موت آئے تو سرزمینِ حجاز میں۔

# خوش گوار ازدواجی زندگی کا راز

شاکرہ حافظ یاسین

### ازدواجی زندگی کی بنیاد

ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا گھر امن، سکون اور محبّت کا گہوارہ ہو، جہاں اعتماد اور خوشیاں بسی ہوں۔ خاص طور پر ازدواجی زندگی میں باہمی الفت اور جنّت تبھی ممکن ہے، جب دونوں شریک حیات مل کر اسے بنانا چاہیں اور اسی زوجین کی باہمی محبت و شفقت کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت اور قدرت کی نشانی فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم:21)

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبّت اور ہمدردی قائم کردی۔"

انسان کے سکون کے لیے سب سے بڑی چیز میاں بیوی کا رشتہ ہے، اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے سکون اور راحت کا ذریعہ نہیں بن رہے تو یہ ایک بے جان اور بے مقصد شادی ہے۔ محبّت اور شفقت ہی وہ دوستون ہیں جن پر ازدواجی زندگی کی عمارت قائم رہتی ہے، کیوں کہ نکاح صرف دو افراد کے درمیان معاہدہ نہیں، بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ایک مقدّس رشتہ ہے اور نسلِ نو کی اصلاح کا مقدمہ بھی ہے۔ یہی رشتہ ایک دوسرے کا پردہ بھی ہے، زینت بھی اور تحفّظ بھی۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرة:187)

لیکن ہمارے ہاں عملاً ہوتا یہ ہے کہ شادی کے بعد ابتدائی ڈیڑھ، دوسال میاں بیوی کے درمیان لیلیٰ مجنوں کی سی محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کے بغیر لمحہ گزارنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن جیسے ہی خمار اترتا ہے تو ناچاقیاں اور جھگڑے جنم لینے لگتے ہیں۔ ہنی مون کا مرحلہ ختم ہوتے ہی محبت کہاں غائب ہو جاتی ہے؟

اس کی وجہ بہت واضح ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف مزاج اور طبیعتیں دی ہیں۔ مردوں کا مزاج اور ہے اور خواتین کا مزاج اور۔۔۔ جیسے ہر پھول کا رنگ مختلف، خوشبو مختلف ہوتی ہے، ایسے ہی ہر انسان کا مزاج مختلف اور طبیعت نرالی ہوتی ہے۔ اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے رشتے خراب ہوتے ہیں اور میاں بیوی ایک دوسرے پر شک کرنے اور محبت نہ کرنے کی بدگمانیوں میں اُلجھ جاتے ہیں جبکہ ہر انسان کے اظہارِ محبت کا انداز الگ ہوتا ہے، جس کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں، جنہیں سمجھنا ضروری ہے۔

### تعریف کرنا

یعنی حوصلہ افزائی اور محبت کے الفاظ کہنا، ہمّت بڑھانا اور کام کو سراہنا، اکثر لوگوں کو اپنی تعریف سننا اچھا لگتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے جوڑے سے محبّت چاہتے ہیں یا اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مارک ٹوین (Marktwain) معروف امریکی مصنف کا مقولہ ہے۔

I can live for two months on a good compliment.

اگر کوئی شخص مجھے محبت کا ایک جملہ بول دے تو میں اس پر دو مہینے گزار سکتا ہوں۔

میاں بیوی کے لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی تعریف کے ذریعے محبت کا پیالہ لبریز رکھیں۔ دوسرے کو محبت کی کمی نہ ہونے دیں۔ دلوں میں محبت قائم رہے گی تو زندگی کی مشکلات اور مصیبتیں آسانی سے حل ہو جائیں گی۔

جب شوہر کو گھر سے محبت نہیں ملتی تو وہ بھٹک جاتا ہے اور اس محبت کے فطری جذبے کو پورا کرنے کے لیے دائیں بائیں نظریں دوڑاتا ہے۔ ایک دوسرے سے لامحدود توقّعات زوجین کے رشتے میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔ میاں بیوی جب باہمی اختلاف کو محبت اور ادب کی زبان سے سلجھائیں، تنقید کی عادت کو تعریف سے بدلیں اور دوسروں کے سامنے ایک دوسرے کی خامیوں کے بجائے خوبیاں بیان کریں، شک کی جگہ بھروسا، تقاضے کی جگہ قربانی، شکایت کی جگہ شکر کو دیں تو نکاح کے بندھن کا بنیادی مقصد "سکون" حاصل ہو سکے گا۔ بچوں کے سامنے ایک دوسرے کی تعریف کریں، جس سے اولاد کے دلوں میں والدین کی عزّت و تکریم میں بھی اضافہ ہوگا۔ اپنے شوہر سے محبّت کرنے والی عورت کو حدیث میں جنّتی کہا گیا ہے۔۔۔

### معیاری وقت گزارنا (Quality time)

یعنی اپنے ساتھی کو مکمل توجہ دینا۔

ہمارے ہاں میاں بیوی ایسا وقت ایک دوسرے کو نہیں دیتے، موبائل میں مصروف ذہن کانوں میں پڑتی آوازوں کا جواب دے رہا ہوتا ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے ٹی وی پر جمی نظریں اس رشتے سے محبت کا جنازہ نکال رہی ہوتی ہیں، جس کے نتیجے میں میاں بیوی ایک دوسرے سے اُکتانے لگتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ گھر میں وقت گزارنا اور چیز ہے اور مخصوص توجہ دینا اور چیز ہے۔

آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ تمام ازواجِ مطہرات کے پاس عصر کے بعد تشریف لے جاتے، ان کا حال احوال دریافت کرتے، ضروریات معلوم کرتے، ان کے دل کی بات سنتے۔ یہ تھا "کوالٹی ٹائم" اگرچہ تھوڑی دیر ہوتا، مگر اس میں کوئی دوسری چیز خلل انداز نہ ہوتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو جسم اور ذہن کے ساتھ پوری طرح متوجہ ہوتے۔ آپ ﷺ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا کھیل دِکھانا، ان سے دوڑ لگانا، ازواج سے بات چیت کرنا اور ان کی باتیں برداشت کرنا سب سنتِ نبوی ﷺ اور "کوالٹی ٹائم" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عظمت صرف کمانے میں نہیں نبھانے میں بھی ہے۔

اس مخصوص وقت میں کسی اصلاحی کتاب کی تعلیم و تدریس، کھل کر ایماندارانہ بات چیت گھر کے ماحول کو خوش گوار بنا دیتی ہے اور خواتین اور بچے اسی انداز کی محبت چاہتے ہیں۔

### تحائف کا تبادلہ (Giving and Receivinggifts)

تحفہ دینا اور لینا دونوں سنّتِ نبوی ﷺ ہیں۔ یہ محبت کا اظہار بھی ہے، رشتوں کو جوڑتا اور

# بڑے ابّا

اُمِ محمد عبداللہ

کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا پہلا انسان کون تھا؟ جی ہاں، وہ حضرت آدم علیہ السّلام تھے۔ وہ نہ صرف انسانوں کے پہلے فرد تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی بھی تھے۔ اسی لیے ہم انھیں اپنے بڑے ابا کہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السّلام کا ذکر قرآنِ پاک میں 25 مقامات پر آیا ہے۔ ان کا تذکرہ جن سورتوں میں آیا ہے، ان میں سورۃ البقرۃ، سورۃ آلِ عمران، سورۃ المائدۃ، سورۃ الاعراف، سورۃ الاسراء، سورۃ الکہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسٓ شامل ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا: "میں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔" پھر حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار کیا کیوں کہ وہ جن تھا اور غرور میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنّت سے نکال دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام اور ان کی زوجہ حضرت حوّا علیہا السّلام کو جنّت میں رکھا اور انھیں ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا، لیکن شیطان نے ان کو بہکا دیا اور وہ درخت کے قریب چلے گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین پر بھیج دیا۔

جی ہاں، بالکل اسی زمین پر جس پر آج ہم اور آپ بستے ہیں۔ ذرا سوچیں! وہ کون سا مقام ہوگا، جہاں حضرت آدم و حوا علیہا السّلام نے اپنا پہلا قدم رکھا ہوگا۔

علما و محققین کی ایک رائے کے مطابق حضرت آدم علیہ السّلام جزیرہ سراندیپ (موجودہ سری لنکا) کے ایک پہاڑ بوز پر جسے کوہِ آدم بھی کہا جاتا ہے، اترے۔ وہاں ایک پتھر پر ان کے قدم کا نشان بھی ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت حوّا علیہا السّلام جدّہ (سعودی عرب) میں اتریں۔ کہا جاتا ہے کہ جدّہ شہر کا نام بھی اسی نسبت سے ہے۔

حضرت آدم و حوا علیہا السّلام کو اپنی غلطی کا احساس تھا اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کر رہے تھے۔ اللہ پاک ان کے توبہ کرنے اور معافی مانگنے پر خوش ہوئے اور انھیں معاف کر دیا، جیسا کہ سورۃ الاعراف میں بھی بیان ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوّا علیہا السّلام ایک دوسرے کو تلاش بھی کر رہے تھے اور اللہ پاک نے دونوں کی ملاقات مکہ کے قریب عرفات کے میدان میں جبلِ رحمت کے قریب کروا دی۔

حضرت آدم علیہ السّلام کی آخری آرام گاہ مکہ کے قریب ابوقبیس پہاڑ میں واقع ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام کے بیٹوں میں سے دو بہت زیادہ مشہور ہوئے، جنھیں قابیل اور ہابیل کہا جاتا ہے۔ دونوں نے اللہ کی راہ میں قربانی دی، لیکن صرف ہابیل کی قربانی قبول ہوئی۔ قابیل کو حسد آیا اور اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ یہ انسان کی تاریخ کا پہلا قتل تھا، جیسا کہ سورۃ المائدہ میں بیان ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ دمشق کے قریب قاسیون پہاڑ میں ایک غار میں پیش آیا، جسے "خونی غار" کہا جاتا ہے۔ وہاں مبینہ طور پر حضرت ہابیل کی ایک لمبی قبر بھی موجود ہے۔

اس قصے سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات ماننی چاہیے۔ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور ہمیں حسد، غرور اور نفرت سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

دلوں کو تسخیر کرتا ہے۔ نفرتوں کو مٹاتا ہے اور دشمنیوں کو دوستیوں میں تبدیل کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس لیے کہ ہدیہ دل کی کدورت کو دور کرتا ہے۔"

جب تحفہ دینے میں ایک دوسرے کی پسند کا لحاظ رکھا جائے گا اور تحفہ لینے والا دل سے قدر کرے گا (اگرچہ تحفہ کم قیمت ہی کیوں نہ ہو) تو مزید الفت و محبت کا ذریعہ بنے گا۔

آج کل تحفہ ایک رسم بن گیا ہے۔ تحفہ دینے والا دکھاوے کی نیت سے مہنگا تحفہ دینے کی کوشش کرتا ہے اور لینے والا بطورِ قرض اور ریا کے کچھ اضافہ کر کے دینے کی کوشش میں لگ جاتا ہے، جس میں سنّت کی نیّت کرنے کے بجائے دکھاوے کی نیّت کی وجہ سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ تحفہ خوش دلی اور اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہیے۔ تکلّف سے کام نہیں لینا چاہیے۔

### ایک دوسرے کے کاموں میں ہاتھ بٹانا (Actsofservice)

بعض لوگ لفظوں کے بازیگر اور باتوں کے شیر ہوتے ہیں۔ لفظوں سے محبت جتلاتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر بیوی کے دل میں گھر کرنا چاہتے ہیں، مگر عملی طور پر کچھ نہیں کرتے، گھر کے کاموں میں ہاتھ نہیں بٹاتے، اگرچہ مرد و عورت کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں۔ گھر کے اندر کے کام بیوی کے ذمہ اور باہر کی ذمہ داری مرد کی ہے، مگر گھر کے کاموں میں حصہ لینا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا! حضور ﷺ گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ اپنے گھر والوں کی خدمت میں مصروف ہوتے تھے، جیسے ہی اذان سنتے تو گھر سے چلے جاتے تھے۔

گھر کے معمولی کام کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا دراصل تکبّر کی علامت ہے، جو نفس کی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہی تکبر اکثر گھریلو جھگڑوں میں شدّت کا سبب بنتا ہے۔

اچھی بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہوتی ہے۔ وہ گھر کے کاموں کو بوجھ نہیں سمجھتی بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر سرانجام دیتی ہے۔

حضور ﷺ کی بیویوں میں سے کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ کمالِ حکمت سے کام لیتے اُس مسئلے پر ایسا ردِّ عمل ہرگز نہ فرماتے کہ وہ مسئلہ پہلے سے بھی زیادہ گھمبیر ہو جائے۔

میاں بیوی کا رشتہ دنیا کا سب سے خوبصورت رشتہ ہے، لیکن اس کی نزاکتیں بھی بہت ہیں۔ بے راہ روی میں اضافہ ہو چکا ہے، ناجائز تعلّقات بڑھتے جا رہے ہیں اور موبائل فون نے ان تمام جرائم کے رستے بالکل آسان کر دیے ہیں۔ اس لیے میاں بیوی دونوں کو ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ دونوں ملکر تعلّقات نہیں سنواریں گے تو گھر جنّت کی نظیر نہیں بن سکیں گے۔ گھر کو جنّت بنانا محض اتفاق کا کھیل نہیں۔ یہ شعور، محبت اور قربانی کا حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ رشتہ شریعتِ مطہرہ کے اصولوں کے تحت نبھایا جائے گا تو دین و دنیا کی سعادت کا ذریعہ ہوگا۔

حبيبي
HABEEBI
Divine Cherry
Pour Femme
HABEEBI
e100ml 3.4FL.OZ
The World of Fragrance
REIMAGINED!
www.habeebi.store

# انگور کے شفائی کرشمے

حکیم شمیم احمد

## تعارف

انگور ایک مشہور اور مرغوب پھل ہے۔ چھوٹے انگور کو جس میں دانہ نہیں ہوتا انگور بدانہ کہتے ہیں۔ یہی خشک ہونے پر کشمش کہلاتی ہے۔ انگور بلوچستان کوئٹہ، چمن، کشمیر، قندھار اور افغانستان میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں کی مخصوص آب و ہوا انگور کے لیے موافق ہے۔ انگور جسامت رنگ اور ذائقے کے لحاظ سے مختلف قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً انگور سیاہ، سندر خانی، انگور گول، موٹا دانے دار بعض انگور سرخ اور بعض سفیدی مائل ہوتے ہیں۔ انگور کا پھل ایک بیل (Vine) پر لگتا ہے۔ یہ پھل گچھے کی صورت میں پتوں کے درمیان لٹکا ہوتا ہے۔

## طبّی نکتۂ نگاہ

انگور ایک کثیر الفوائد پھل ہے۔ طبّی نکتۂ نگاہ سے تمام پھلوں پر اپنی غذائی و شفائی اثرات کی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے۔ طبیب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ خون بنانے میں انگور کے مقابلے میں انجیر کے سوا کوئی اور دوا اہمیت نہیں رکھتی۔ ایسے لوگ جنہیں گردوں کا عارضہ ہو یا پتھری کی وجہ سے پیشاب رک رک کر آتا ہو، ایسے مریضوں کو یہ بطورِ دوا استعمال کرانا چاہیے، کیوں کہ یہ پیشاب آور ہے اور گردوں سے ریت کے ذریعے پتھری خارج کر دیتا ہے۔ جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انگور جگر، دماغ، دائمی قبض اور جوڑوں کے درد میں مفید ہے اور تیزابیت کو ختم کرتا ہے۔ اس کے کھانے کا مناسب وقت کھانے کے بعد کا ہے۔ اس طرح یہ خود بھی ہضم ہو جاتا ہے اور غذا کو بھی ہضم کر لیتا ہے۔

**احتیاط:** کھانے کے دوران یا بعد میں پانی کا استعمال مضر ہے۔

## حکما کا قول

حکما کا مصدقہ قول ہے کہ انگور، نارنجی اور سیب یہ ایسے حسنِ صحت پھل ہیں کہ ان کے باقاعدہ استعمال سے قوت ہاضمہ بڑھتی ہے اور جگر میں صاف اور طبعی خون پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے چہرے پر نکھار آ جاتا ہے اور وہ پُرکشش ہو جاتا ہے۔

## انگور ایک مقبولِ عام پھل

انگور نہ صرف بحیثیت پھل مقبول عام ہے، بلکہ اس سے جوس، جام، جیلی، کشمش، سرکہ اور ان کے بیجوں سے تیل بھی نکالا جاتا ہے، جسے Grape) (SeedOil کہتے ہیں۔ یہ تیل بطورِ دوا اور پکانے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انگور کے بیجوں سے حاصل ہونے والا تیل کاسمیٹکس میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ جلد کو خوب صورت اور تروتازہ رکھتا ہے۔ چہرے پر جھریاں پڑنے کے عمل کو سست کرتا ہے۔

## انگور کے چند اکسیر الاثر خواص

1۔ میٹھے انگوروں کا رس نکال کر بطورِ سعوط ناک میں کھینچیں نکسیر فوراً بند ہو جائے گی۔

2۔ انگور کا پانی دو حصے، مصری ایک حصہ ملا کر قلعی دار دیگچی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب قوام گاڑھا ہو جائے تو چینی کے پیالے میں محفوظ کر لیں۔ پیاس کی شدّت، دل کی دھڑکن اور دستوں میں یہ تیار شدہ قوام تھوڑا تھوڑا پلائیں، ان تمام عوارض میں مفید ہے۔

3۔ ورق قلعی ایچھٹانک    مویز منقّی 3 چھٹانک    دونوں کو ملا کر یہاں تک کوٹیں کہ یکجان ہو کر معجون کی شکل اختیار کر لے، جن مریضوں کے پیٹ میں کیڑوں کی تشخیص ہو جائے، انھیں بقدر چھ ماشہ کھلائیں۔ بعدازاں کمیلا شستہ 6 ماشہ گائے کے دہی میں حسبِ ضرورت مصری شامل کر کے پلائیں۔ بفضلِ تعالیٰ کیڑے مر جائیں گے اور مریض کو مکمل آرام آ جائے گا۔

4۔ عاقر قرحا خالص باریک پیس کر اس وزن سے دو چند مویز منقّی ملا کر معجون بنائیں، ڈیڑھ ماشہ سے شروع کر کے تین ماشے تک استعمال کروائیں، پھر قدرت کے شفائی اثرات مشاہدہ کریں۔ کوڑیوں کی یہ دوا جواہرات کا مقابلہ کرتی ہے۔

## انگور کثرتِ حیض میں مفید

ہوالشافی: مویز منقی پانچ عدد، سپاری ایک عدد، مازو دو عدد تمام اجزا کو باریک پیس کر چنے کے برابر گولیاں بنائیں۔ صبح شام ایک گولی استعمال کرائیں۔ بفضلِ تعالیٰ کثرتِ حیض میں مفید ہے۔ اطبّا قدیم انگور کو قلب اور دیگر کئی امراض میں اور جسمانی صحت کے لیے مفید قرار دیتے ہیں، جس کی تصدیق اب جدید تحقیق نے بھی کر دی ہے۔ انگور کھانے سے خون پتلا رہتا ہے۔ خاص طور پر سیاہ یا سُرخ انگور کا ایک گلاس رَس پینے سے خون میں تھکے (Clots) بننے کا خطرہ ساٹھ فیصد کم ہو جاتا ہے۔ سُرخ تربوز، سُرخ انگور اور لال پکے ہوئے ٹماٹروں میں پایا جانے والا سُرخ رنگ دراصل بیٹا کروٹین ہے، جسے لائیکوپین کہتے ہیں۔

## پتھری اور ریگ مثانہ

نسخہ: ھوالشافی: پرسیاؤشاں دو تولہ، تخم تربوز ڈیڑھ تولہ، کلتھی ساڑھے چار تولہ، سونف نیم کوفتہ ایک تولہ، انگور کے نرم پتے اکیس تولہ، گوکھرو تین تولہ۔ تمام اجزا کو ڈیڑھ پاؤ پانی میں رات کو بھگوویں، صبح جوش دیں، جب نصف پانی رہ جائے تو مل کر صاف کر لیں اور چھان کر تین پاؤ چینی کا قوام بنائیں۔ مقدارِ خوراک دو سے تین تولہ ہے، صبح وشام پلائیں۔ یہ شربت چوتھائی کپ پانی میں شامل کر کے پلائیں۔ گردے مثانہ کی پتھری ان شاءاللہ خارج ہو جائے گی۔

## ایران کا بادشاہ اور انگور کا رس

کہا جاتا ہے کہ ایران کا بادشاہ انگور کے رس پینے کا بہت شوقین تھا۔ اس لیے ایک دفعہ اس نے انگور کا رس بوتلوں میں ڈال کر محفوظ کر لیا اور مشہور کر دیا کہ ان بوتلوں میں نہایت سخت قسم کا زہر ہے۔ اصل میں اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ کوئی ان بوتلوں کے قریب نہ جائے۔ اتفاق سے اس کی باندی کو ایک روز شدید سر میں درد لاحق ہو گیا، جب اس کو کسی طرح آرام نہ آیا تو اس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا اور ان بوتلوں میں سے ایک بوتل زہر پینے کے لیے اُٹھالی۔ وہ وقفے وقفے سے اس مشروب کو پیتی رہی، تاکہ جلد موت آجائے، لیکن موت تو نہ آنی تھی نہ آئی، البتہ اس کے سر کا درد ٹھیک ہو گیا۔ امریکہ میں ایک اسسٹنٹ سرجن کے پیٹ میں رسولی ہو گئی تھی۔ وہ جڑی بوٹیوں اور پھلوں کے خواص پر دسترس رکھتی تھی۔ اس کو سرجن نے کہا کہ اس رسولی کا آپریشن کروالو۔ اس نے جواباً عرض کیا کہ میں انگور کے رس کو استعمال کر کے یہ رسولی گھلا دوں گی، چناں چہ وہ مسلسل انگور کا رس پیتی رہی اور اسکرین کی مدد سے معائنہ کرتی رہی کہ رسولی کا سائز کتنا کم ہو گیا ہے۔ غرض چار ماہ تک انگور کے مسلسل استعمال سے رسولی بالکل ختم ہو گئی۔

## انگور کے شفائی اثرات

مرگی کے مریضوں کے لیے انگور کے شفائی اثرات تسلیم شدہ ہیں۔ اس مقصد کے لیے انگور شیریں کا رس نکال کر مریضوں کو دن میں تین مرتبہ پانچ پانچ تولہ کی مقدار میں پلانے سے مرضِ مرگی میں افاقہ ہوتا ہے۔ ایسے شیر خوار بچے جو دانت نکال رہے ہوں یا جن کی ماؤں کے دودھ میں کمی ہو یا باہر کا دودھ استعمال کرایا جاتا ہو، ایسے بچوں کو انگور کا رس شہد خالص آدھی چمچی میں ملا کر استعمال کرانا چاہیے۔

## انگور کے فوائد

1۔ زود ہضم اور کثیر الغذا ہے۔

2۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔

3۔ مصفّی خون ہے۔

4۔ مرضِ اسہال میں مفید ہے۔

5۔ سوداوی احتراقی مواد کو دفع کرتا ہے۔

6۔ جسم کو فربہ کرتا ہے۔

## شاندار تحفہ

سرکہ بنانے کے لیے انگور کے رس کو کسی مٹی کے مرتبان میں بھر کر رکھ لیں۔ کچھ دنوں بعد جب اس میں خود بخود جوش آجائے اور ترشی پیدا ہو جائے تو چھان کر بوتلوں میں بھر لیں اور کھانے کے ساتھ استعمال کریں۔ صفراوی مزاج والوں کے لیے یہ ایک شاندار تحفہ ہے۔ مرضِ تقطیر البول (قطرے قطرے پیشاب آنے میں) مویز منقّیٰ 3 عدد بیج نکال کر ایک ایک سیاہ مرچ کا دانہ داخل کر کے رات کو استعمال کریں، چند روز میں تکلیف ختم ہو جائے گی۔

## شربتِ انگور

رب انگور شیریں ایک کلو، چینی تین کلو کا قوام تیار کر کے بطریقِ معروف شربت تیار کریں۔ چار تولہ شربت ہم راہ عرقِ گاؤزبان بارہ تولہ استعمال کرائیں۔ اس شربت کا استعمال صفراء کی تیزی کم کرتا ہے، دستوں کو بند کرتا ہے، معدہ کو تقویت بخشتا ہے، قے کو روکتا ہے اور دل کو فرحت اور بشاشت دینے میں لاجواب ہے۔

## امراضِ قلب اور سرطان سے حفاظت

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ یہ قلب کے امراض اور سرطان سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ مزید تحقیقات کے مطابق صحت کو برقرار رکھنے کے لیے مانع تکسید Antioxidants مرکبات نمایاں کردار ادا کرتے ہیں اور انگور میں یہ مرکبات اور Polyphenolic اجزا پائے جاتے ہیں۔

انگور کی ادویاتی خصوصیات: وہ مرکبات جو کینسر اور دل کے امراض کو روکتے ہیں وہ Ellagic Acid اور Resveratrol جو انگور میں موجود ہیں۔ انگور میں یہ مقدار 0.5 سے پندرہ ملی گرام فی کلو گرام میں پائی جاتی ہے۔ انگور میں پائے جانے والے بائیولوجیکل مرکبات کی مقدار کا انحصار انگور کی قسم پکنے کا موسم، موسمی حالات اور اس کی مقدار پر ہوتا ہے۔ انگور سے بنی اشیا میں Phenolic مرکبات کی مقدار کا انحصار اسٹور کرنے کا طریقہ کار اشیا کے بنانے کے طریقہ کار پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ انگوروں کا رس دردِ شقیقہ یعنی آدھے سر کے درد میں نہایت مفید ہے۔

## انگور کی چٹنی بنانے کا طریقہ

کشمش سبز 10 دانے، الائچی خورد 3 ماشہ، کالی مرچ 2 تولہ، گوند ببول 3 ماشہ، بادام، مغز چلغوزہ و مغز پستہ ہر ایک 6-6 ماشہ سرکہ انگوری ایک پاؤ سب اجزا کو باریک پیس کر سرکہ میں ڈال کر رکھ لیں، چٹنی تیار ہے۔ یہ چٹنی بھوک لگانے، قوتِ ہاضمہ کو تیز کرنے، غذا کو جزوِ بدن بنانے، معدے کو تقویت اور طبیعت کو فرحت بخشنے میں ایک عمدہ دوا اور غذا ہے۔

# تبذیر اور اسراف

نبیل احمد خان

اسلام اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ ربُّ العزّت نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور ان کے استعمال میں میانہ روی کو پسند کیا ہے۔

انسانوں کو عطا کردہ تمام نعمتیں اللہ کی امانت ہیں۔ ان نعمتوں کا استعمال اور خرچ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہوگا۔ تمام نعمتوں کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ جسم کے اعضا سے لے کر مال و دولت یہ سب اللہ کی دی ہوئی امانت ہیں۔ اس امانت کو دینے والے کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے تو عبادت ہے، ثواب ہے اور اگر خلاف ورزی کریں گے اور امانت میں خیانت کریں گے تو یہ جرم ہوگا، گناہ ہوگا۔ نعمتیں بامقصد، بقدرِ ضرورت اور صحیح جگہ پر خرچ کی جائیں۔ فضول خرچی اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ انسان کی زندگی میں خرچ کرنا ناگزیر ہے، مگر خرچ کرنے کے دو راستے ہیں: ایک اعتدال کا اور دوسرا فضول خرچی کا۔ فضول خرچی کی دو اقسام یا اصطلاحات ہیں: ایک تبذیر اور دوسرا اسراف۔ اردو میں ان دونوں یعنی ”اسراف“ اور ”تبذیر“ کا ایک ہی مطلب ہے، یعنی ”فضول خرچی“ مگر درحقیقت یہ الگ اصطلاحات ہیں۔ اسراف اور تبذیر دونوں ہی سخت ناپسندیدہ عمل ہیں، تاہم! ان کے درمیان نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اسراف کرنے والوں کو اللہ کی ناپسندیدگی کا مستحق بتایا اور تبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا۔

**تبذیر:** تبذیر یہ ہے کہ مال و دولت کو ایسی جگہوں یا چیزوں پر خرچ کیا جائے جو حقیقت میں غیر مناسب اور غیر ضروری ہوں، جس خرچ کی سرے سے کوئی حقیقیت ہی نہ ہو۔ یہ ایسا خرچ ہے کہ جس سے کوئی حقیقی فائدہ نہ ہو، یہ ناجائز عمل ہے۔ مثال کے طور پر محض دکھاوے یا لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے بے جا خرچ کرنا، جیسے شادی کی تقریبات میں خرچ کرنا، لایعنی کاموں میں خرچ کرنا، لباس، گاڑیوں یا محفلوں میں صرف اس نیت سے دولت خرچ کرنا کہ لوگ متاثر ہوں اور اپنی دولت و شہرت مندی کا چرچا ہو۔ موجودہ دور میں اس کو شوق و خواہشات کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ تبذیر کو قرآن نے نہ صرف شیطانی عمل قرار دیا ہے بلکہ مبذّرین کو شیاطین کا بھائی کہہ کر اس کی قباحت کو واضح کیا ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا کہ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (الاسراء: 27)

”یہ مبذرین (دولت کو نمود و نمائش کے لیے اڑانے والے) شیطانوں کے بھائی ہیں۔“

**اسراف:** اسراف کے معنی ہیں حدِّ اعتدال سے تجاوز کرنا یا آسان الفاظ میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلائے گا، یعنی کوئی چیز جائز ہو، مگر اس میں اعتدال کے بجائے ضرورت سے بڑھ کر استعمال کیا جائے تو یہ اسراف ہے۔ مثلاً ضرورت سے زیادہ کھانا، پانی کا حد سے زیادہ استعمال یا لباس و زیبائش میں حد سے آگے بڑھ جانا۔ قرآنِ پاک میں دو مقام پر ارشاد ہوا کہ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (الاعراف: 31) اور (الانعام: 165) اور اسراف نہ کرو بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

ہمارے معاشرے میں اس برائی میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ریاکاری، فضول اور لایعنی ذرائع میں اضافہ ہورہا ہے۔ ایک مسلمان کا معاملہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ حقیقی ضرورت کے معاملے میانہ روی سے کام لے اور تبذیر و اسراف سے کام نہ لے اور نہ ہی بخل سے کام لے۔

قرآن، احادیث اور اسلاف کے اقوال کی روشنی میں رہنمائی: قرآن کریم میں خرچ کے اعتدال کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: 67) ”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔“

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص: 77) اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ، بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مال خرچ کرنے پر آخرت میں بھی جوابدہی ہے۔ آخرت میں جن سوالوں کا جواب دیے بغیر کوئی بندہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا۔ ان میں ایک سوال مال کے تعلق سے ہوگا۔ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ یعنی آمد و خرچ دونوں کا حساب دینا ضروری ہوگا۔

مال خرچ کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو، لیکن فضول خرچی اور تکبر سے بچو۔“ (صحیح بخاری)

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ”کسی آدمی کے اسراف کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو چاہے کھالے۔“ یعنی خواہشات کے پیچھے اندھادھند دوڑنا انسان کو اسراف و تبذیر کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ”جو اعتدال پر قائم رہے، وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔“ یعنی غربت کا علاج اعتدال پر قائم رہنے میں ہے۔ امام سفیان ثوریؒ کے نزدیک: ”ضرورت سے زائد خرچ اسراف ہے۔“ یعنی ضرورت کے مطابق ہی مال خرچ ہونا چاہیے۔ ابنِ قیمؒ نے کہا ہے کہ جن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، وہ دو قسم کی ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ جس کو صحیح جگہ سے لیا جائے اور صحیح جگہ استعمال کیا جائے، اس کے شکر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس کو غلط جگہ سے لے کر بغیر حق کے استعمال کیا جائے، اس کے لینے اور استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اسراف و تبذیر سے دینی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نقصانات ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی ناراضی اور شیطانی راستوں کی طرف لے جاتا ہے، قناعت و شکر ختم کرتا ہے اور تکبر، ریاکاری اور دولت کی نمائش کو بڑھا دیتا ہے۔ اسراف و تبذیر کرنے والا دوسروں کی ضروریات نظرانداز کرتا ہے، جس سے طبقاتی فرق، حسد اور ناانصافی بڑھتی ہے۔ وہ خود بھی حرص و لالچ میں مبتلا ہو کر سکون کھو دیتا ہے۔

تبذیر اور اسراف سے بچنے کے لیے سب سے بنیادی تصور یہ ہے کہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت ہے۔ انسان دراصل ان نعمتوں کا مالک نہیں بلکہ امین ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ انھیں اللہ کے حکم اور ہدایت کے مطابق استعمال کرے۔ جب بندہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ مال، وقت اور زندگی سب اللہ کی امانت ہیں تو وہ انھیں فضول خرچی، دکھاوے اور خواہشات کی نظر نہیں کرتا بلکہ اعتدال، میانہ روی اور شکر کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ زائد چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنا ہی اس امانت کو صحیح طریقے سے ادا کرنا ہے۔ اس طرح انسان نہ صرف تبذیر اور اسراف سے محفوظ رہتا ہے بلکہ اللہ کی رضا اور برکت بھی حاصل کرتا ہے۔ ایک سلیم الفطرت مسلمان کو چاہیے کہ مال و دولت کو احتیاط و کفایت سے خرچ کرے، اعتدال اختیار کرے، غیر ضروری رسومات سے بچے اور غریبوں کا حق ادا کرے۔ یہ دینی فریضہ اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔

NEW Zaiby
Jewellers CLIFTON
A TRUSTED NAME IN JEWELLERY SINCE 1974
FOR THE MOMENTS YOU WANT TO
SHINE BRIGHTER
EXPLORE THE STUNNING GOLD & DIAMOND JEWELLERY!
03085888455
021 35835455, 35835488
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton

# رشتوں کا انتظار!!!

محمد حمزہ صدیقی

◆ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پیغامِ نکاح خود آپ علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجا۔

◆ آپ ﷺ نے اپنی تین صاحبزادیوں (حضرت رقیہ، حضرت اُمِّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہنّ) کے لیے خود پیغامِ نکاح بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے رشتے کے حوالے سے وضاحت نہیں مل سکی۔

◆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد اُن سے نکاح کا پیغام از خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پیش کیا اور دونوں نے معذرت کر لی۔

◆ آپ ﷺ نے از خود حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پیش کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبول فرمایا۔

◆ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک گھرانے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے پیغامِ نکاح دیا۔ گھر والوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے لیے پیغام قبول فرمالیا اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا۔

یہ محض چند واقعات بطورِ مثال کے پیش کیے گئے ہیں، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ علیہ السّلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانے میں نکاح کس قدر آسان معاملہ تھا۔

◆ باپ از خود اپنی بیٹی کے لیے رشتہ بھیج رہا ہے۔

◆ لڑکا لڑکی کہیں نکاح کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی آزادانہ طور پر اپنا پیغام نکاح بھیج رہے ہیں۔

◆ بیوہ اور طلاق یافتہ عورتوں کے دوسرے، تیسرے نکاح میں بھی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

◆ مردوں کی ایک سے زائد شادیاں ایک عام سی بات ہے، جس پر کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

◆ نکاح کا معاملہ اتنا سادہ اور اس قدر آسان ہے کہ بعض مواقع پر تو آپ علیہ السّلام کو بھی دعوت نہیں دی گئی اور آپ نے ذرہ برابر بھی اس بات کو محسوس نہیں کیا۔

ان ساری باتوں کو ہم اگر سامنے رکھیں اور پھر اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں کہ ہم نے اتنے سادہ اور آسان معاملے کو کس قدر پیچیدہ اور کس حد تک مشکل بنادیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے لیے گناہ کرنا آسان اور حلال رشتے میں منسلک ہو جانا ایک پہاڑ بن کر رہ گیا ہے۔ رشتے کے انتظار میں گھروں میں بیٹھی لڑکیوں کی عمریں نکلی جا رہی ہیں، لیکن ہم اس رسم و رواج سے آزاد ہونے کو تیار نہیں۔

◆ کیا قباحت ہے کہ اگر کوئی باپ بھائی اپنی بیٹی بہن کے لیے خود رشتہ تلاش کر لے؟؟؟

◆ کیا قباحت ہے اگر لڑکے لڑکیاں اپنی پسند سے شادی کرنا چاہیں، اگر اُن کی پسند میں کوئی بہت بڑا عیب نہ ہو۔

◆ کیا قباحت ہے اگر بیوہ اور طلاق یافتہ خواتین سے نکاح کرنے کا رواج عام ہو جائے۔

◆ کیا قباحت ہے اگر مردوں کی ایک سے زائد شادیاں کوئی اچنبھے کی بات نہ رہے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہر انسان کی چاہے وہ مرد ہو یا عورت کھانے پینے کے بعد تیسری سب سے بڑی ضرورت جنسی خواہش کا پورا ہونا ہے، جیسے ذکر اذکار سے بھوک پیاس نہیں مٹ سکتی، ایسے ہی جنسی خواہش بھی کسی وظیفے سے نہ ختم ہو سکتی ہے، نہ کم ہو سکتی ہے اور نہ ہی پوری ہو سکتی ہے۔ اگر اپنی اولاد کو گناہوں سے بچانا ہے تو نکاح کو آسان کرنا ہوگا۔ اُن کی پسند ناپسند کو اہمیت دینا ہوگی، ورنہ اپنی ذات برادری اور معاشرے کی رسوم و رواج کے چکروں میں ہی پڑے رہے تو اولاد یا تو ہم سے باغی ہو جائے گی یا پھر گناہوں کے دلدل میں پھنسی رہے گی اور پھر شاید جب اپنی غلطی کا احساس ہو تو پانی سر سے گزر چکا ہو۔ ربِّ کریم ہر ایک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور سرپرستوں کو مناسب عمر میں شادی کی اہمیت کو سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین!!

# جمادی الاولیٰ

## تلفظ اور املا کی اصلاح

محمد عفاف

جمادی الاولیٰ اسلامی سال کا پانچواں مہینہ ہے۔ جمادی الاولیٰ کا تلفظ لکھنے اور ادا کرنے میں غلطی پائی جاتی ہے۔ ذیل میں اس بابت تفصیل عرض ہے۔

**جَمادِیُ الْاَوَّل یا جَمادِی الْاُولیٰ:**

عام طور پر جَمادِیُ الْاَوَّل یا جَمادِیُ الْاُولیٰ یعنی جیم کے زبر اور دال کے زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور زبان زدِ عام و خاص یہی ہے، جبکہ صحیح تلفظ جُمادَی الْاُولیٰ یعنی جیم پر پیش، دال پر زبر اور آخر میں الف مقصورہ (یٰ) ہے۔ یعنی یہ فُعَالیٰ کے وزن پر ہے۔

اسی طرح اَلْاَوَّل بھی درست نہیں، بلکہ اَلْاُولیٰ صحیح ہے؛ کیوں کہ اسلامی مہینوں کے نام عربی زبان میں ہیں اور عربی زبان میں قاعدہ ہے کہ موصوف اور صفت میں مطابقت ہونا ضروری ہے۔ جبکہ جمادی الاولیٰ موصوف صفت ہے اور جمادی مؤنث ہے، لہٰذا اس کی صفت کا بھی مؤنث ہونا ضروری ہے، اور وہ الاولیٰ ہونے کی صورت میں ہی ممکن ہے؛ کیوں کہ الاولیٰ مؤنث ہے اور الاول مذکر ہے، لہٰذا موصوف صفت میں مطابقت اسی صورت ممکن ہو سکتی ہے کہ جب یہ جمادی الاولیٰ ہو۔ حاصلِ کلام یہ کہ اسلامی سال کے پانچویں مہینے کا درست تلفظ جُمادَی الْاُولیٰ ہے۔

دوسرا حصہ

# لباسِ خاص

بنتِ ایوب مریم

میاں بیوی کو اللہ نے ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے، یعنی وہ ایک دوسرے کو ڈھانپتے، عیب چھپاتے، سکون اور زینت دیتے ہیں۔ لباس موسم کی سردی گرمی سے بچاتا ہے تو یہ ایک دوسرے کی کم زوریوں اور تنہائی کو تحفظ دیتے ہیں، جس طرح بیوی کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اس لباس کو آلودہ، سلوٹ زدہ یا خراب نہ کرے، ایسے ہی مردوں کو بھی چاہیے کہ اپنے لباس کا عیب کسی دوسرے کے سامنے عیاں نہ کریں۔ کسی کی لڑکی اپنے گھر لا رہے ہیں تو اسے عزّت، پیار، مان اور تحفّظ دیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی جائز خواہشات کو پورا کریں۔ اس کے شوق اپنائیں کہ اللہ کے نبی ﷺ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ لگایا کرتے تھے، جب بھی دیکھا مسکرا کر نگاہ ڈالی۔

اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں۔“

بیوی کی عزّت کرنا اور کروانا آپ کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ اگر آپ ابھی معاشی طور پر مستحکم نہیں ہیں تو جلد خود کفیل ہونے کی کوشش کریں کہ اس کے بغیر آپ کو گھر سے محبت تو مل سکتی ہے، مگر عزت نہیں۔

والدین جس قدر بھی دولت مند ہوں، اپنی بیوی کا خرچ خود اٹھائیں، تا کہ آپ کے کندھے پر اسے فخر اور ساتھ سے تحفّظ ملے۔

جہیز نہ لے کر ضروریاتِ زندگی کا سامان خود مہیّا کرنا بہت اچھی بات ہے، لیکن اپنے گھر کی بنیاد اپنی محنت پہ رکھیں۔ آپ کی ماں کا گھر ان کی برسوں کی محنت، ذوق اور تجربے سے جڑا ہے۔ جب کہ بیوی ایک نئی خوش بو اور رنگ لاتی ہے۔ اس کے آرام، انداز اور سہولت کا بھی احترام کریں۔

بیوی کے لیے الگ کمرہ، باتھ روم اور کچن کا واجب حق اس کے آرام اور آزادی کی علامت ہیں۔ اس لیے شریک حیات کو شریک اختیار بنائیں اور اپنی مرضی سے رکھنے، سجانے، ترتیب دینے اور وقت گزارنے کا اختیار دیں۔

اپنے ساتھ بیوی کو نئی شناخت دیں، اس کی ذات مسخ نہ کریں۔ اس کی زندگی کو خاندانی لاؤنج کی طرح دوسروں کی نظر میں نہ رکھیں، جیسے آپ کے والدین اپنے کمرے میں سکون پاتے ہیں، ویسے ہی بیوی کو بھی اپنی جگہ درکار ہے۔ وہ اپنی تنہائی، سوچ اور لمحوں کی مالک ہے۔

اولاد کے بعد بیوی کو ان کی ماں ہونے کا رُتبہ دیں۔ آپ کی والدہ اپنی اولاد اپنی مرضی سے پال چکی ہیں۔ ان سے مشورہ لیں، مگر مرکزی حق اسی کے پاس رہنے دیں، جس نے جنم دیا ہے کہ وہ صرف آپ کی اولاد پال نہیں رہی بلکہ عزّت سے آپ کا نام آگے بڑھا رہی ہے۔

بیوی آپ کی زندگی کا حصہ ہے، خاندان کی ملکیت نہیں۔ اس کے معاملات کو مشترکہ نہ بنائیں کہ اپنی بات، خواہش، مسائل، جذبات اور ضروریات کا حساب دینا پڑے۔

اگر آپ ماں اور بیوی دونوں کے لیے کچھ خریدتے ہیں تو دونوں کو الگ الگ دیں، تا کہ دونوں اپنی ضرورت کے مطابق برت سکیں۔

اگر بیوی آپ کے والدین کا خیال رکھتی ہے، بہنوں کے آنے پہ خوش ہوتی ہے، آپ کے مہمان کو عزّت بخشتی ہے تو شکر گزاری کو عادت بنائیں، یہ اس کی محبت اور تربیت کا مظہر ہے۔ اس کے کردار کو معمول نہ سمجھیں، دل سے قدر کریں، زبان سے اعتراف کریں۔

اولاد بیمار ہو جائے یا غفلت سے چوٹ لگ جائے تو ماں کی ممتا پہ انگلی مت اٹھائیں کہ وہ خیال نہیں رکھ سکی۔ اس پہ بچوں کے حوالے سے کوئی بھی دباؤ ڈالنے کی بجائے اعتماد دیجیے، وہ آپ کے بچوں کا مستقبل محفوظ بنا رہی ہے تو آپ اس کی ماں ہونے کی خوشی اور بھرم قائم رہنے دیں۔

ماں اور بیوی میں رنجش ہو جائے تو ایک کا دل جیتنے کے لیے دوسرے کو دکھ مت دیں۔ ماں سے محبت کا دم بھریں اور بیوی کو پیار سے سمجھائیں۔

جب بیوی اپنے دل کی بات کرے تو اسے سنیں کہ وہ دن بھر کی تھکن اتارنے کو آپ کا انتظار کرتی ہے۔ وہ شکایت نہیں، آپ میں راحت تلاش کرتی ہے۔ برہم مت ہوں اور اس کے چہرے کی تھکن پہچانیں۔ اگر وہ بیان کرتی ہے تو آپ سے اُمید رکھتی ہے۔ آپ حرفِ تسلی سے اسے اپنے ساتھ کا احساس دلا سکتے ہیں۔

بیوی کے ساتھ ذمے داریاں بانٹیں کہ حسنِ زندگی یہی ہے۔ کھانا بنانے اور گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں، بچوں کی دیکھ بھال میں اس کا ساتھ دیں اور کبھی اسے بھی کچھ گھڑیاں آرام کا موقع دیں۔ مرد ہونے کا وقار جداگانہ شان میں نہیں، ساتھ نبھانے میں ہے۔

بیوی آپ کی زندگی کا حصہ بننے آتی ہے، مقابل نہیں۔ اور شادی کا بندھن آپ دونوں کو مضبوط تعلق میں جوڑتا ہے، جس سے محبت، عزّت، اعتماد، سکون اور خوشیاں پھلتی پھولتی ہیں۔

# سچائی اور دیانت داری

حفصہ سلطان

## انسانی معاشرے کے چراغ

اندھیروں میں چراغ ہمیشہ روشنی کی علامت ہوتا ہے، لیکن ذرا تصور کیجیے کہ اگر چراغ ہی بجھ جائے تو اندھیرا کتنا گھمبیر ہو جائے گا! اسی طرح سچائی اور دیانت بھی انسانی معاشرے کے چراغ ہیں۔ جب یہ روشن رہیں تو راستے صاف دکھائی دیتے ہیں، دلوں میں اعتماد اور سکون قائم رہتا ہے اور رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔۔۔ مگر جب یہ چراغ بجھنے لگتے ہیں تو شک، فریب اور بے اعتمادی کا اندھیرا ہر طرف پھیل جاتا ہے اور معاشرہ دھیرے دھیرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ آج ایسے ہی اندھیرے میں سانس لے رہا ہے، جہاں سچائی کو کمزوری اور دیانت کو حماقت سمجھا جانے لگا ہے۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ ہم ان چراغوں کو دوبارہ روشن کریں اور یاد کریں کہ یہ دو اوصاف ہی انسانیت کی اصل بنیاد ہیں۔

سچائی اور دیانت وہ دو صفات ہیں جن پر فرد کی شخصیت اور معاشرے کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو انسان کو محض ایک جاندار سے بلند مقام عطا کر کے اسے انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں خوبیاں کسی قوم کے افراد میں رچ بس جائیں تو وہ قوم ترقی اور کامیابی کی منازل طے کرتی ہے، لیکن جب جھوٹ اور بددیانتی غالب آ جائیں تو زوال اور تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

## سچائی: انسانی کردار کی اصل شناخت

سچائی محض ایک عادت یا عارضی رویہ نہیں، بلکہ ایک طرزِ حیات ہے۔ یہ انسان کے قول و فعل، نیت اور ارادوں کی پاکیزگی کا نام ہے۔ سچ بولنا صرف زبان سے درست بات کہنے کا عمل نہیں بلکہ اس کا تعلق انسان کے باطن سے بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنّت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔" (صحیح بخاری)

جب کوئی شخص سچائی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لیتا ہے تو وہ نہ صرف اپنے معاملات میں شفاف ہو جاتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اعتماد کا مرکز بن جاتا ہے۔ سچ بولنے والا شخص دل کا سکون حاصل کرتا ہے۔ اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں رہتا، جبکہ جھوٹا انسان ہمیشہ خوف اور بے سکونی میں مبتلا رہتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا ہر وقت اپنے الفاظ کو چھپانے اور دوسروں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا رہتا ہے، یوں وہ اپنے ہی جھوٹ کے جال میں پھنس جاتا ہے۔

## دیانت: امانت داری کا کمال

دیانت دراصل امانت داری، انصاف اور ذمے داری کا دوسرا نام ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو انسان کو اپنی ذات سے بلند کر کے دوسروں کے حقوق کا نگہبان بنا دیتی ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ۔" (النساء: 58)

نبی کریم ﷺ کی زندگی دیانت کا کامل نمونہ ہے۔ نبوت سے پہلے ہی آپ ﷺ کو الصادق الامین کہا جاتا تھا، کیوں کہ آپ نے کبھی کسی کے ساتھ دھوکہ نہیں کیا، نہ ہی کسی امانت میں خیانت کی۔ یہی صفات آپ ﷺ کو دوسروں سے ممتاز کرتی تھیں، یہاں تک کہ آپ کے سخت مخالف بھی آپ کی دیانت کو تسلیم کرتے تھے۔

## سچائی اور دیانت کا معاشرتی اثر

جب معاشرے کے افراد سچائی اور دیانت کو اپناتے ہیں تو اعتماد کی فضا قائم ہوتی ہے۔ تجارت میں شفافیت آتی ہے، کاروبار ترقی کرتا ہے، عدل و انصاف قائم ہوتا ہے اور لوگوں کے درمیان محبت اور بھائی چارہ بڑھتا ہے۔

ایک ایسا معاشرہ جہاں لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہوں، وہاں امن قائم رہتا ہے۔ لیکن جب جھوٹ اور بددیانتی پھیل جائے تو ہر شخص دوسرے پر شک کرنے لگتا ہے۔ رشوت، کرپشن، دھوکا دہی، وعدہ خلافی اور بدامنی عام ہو جاتی ہے۔ یہی وہ علامات ہیں جو کسی قوم کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اگر آج ہم اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوگا کہ ہمارے معاشرے میں جھوٹ اور بددیانتی نے کتنی گہرائی تک جڑیں پکڑلی ہیں۔ سیاسی وعدے ٹوٹ جاتے ہیں، کاروبار میں دھوکا عام ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ اپنے قریبی رشتوں تک کو دھوکا دینے سے نہیں چوکتے۔ یہی وہ زہر ہے جو قوموں کو برباد کر دیتا ہے۔

## دنیا و آخرت کی نجات

انسان کے ضمیر کو اللہ نے سچائی کی پہچان عطا کی ہے۔ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے یا بددیانتی کرتا ہے تو اس کا ضمیر بے چین ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے بھی جھوٹ بولتے رہتے ہیں، مگر دل کے کسی کونے میں انھیں احساسِ جرم ستاتا رہتا ہے۔ سچائی دراصل فطرت کا سکون ہے اور دیانت داری قلبی اطمینان کا ذریعہ ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو انسان کو اندھیروں سے نکال کر ایمان کے نور میں لے آتی ہے۔

ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگی میں سچائی کو رواج دیں گے، دیانت داری کو اپنا شعار بنائیں گے اور دوسروں کے لیے بھروسے کا ذریعہ بنیں گے۔ کیوں کہ اگر ہر شخص اپنی ذمہ داری نبھائے تو معاشرے میں جھوٹ اور بددیانتی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ سچائی اور دیانت وہ چراغ ہیں، جو نہ صرف ہمارے گھروں بلکہ پوری قوم کو روشنی فراہم کر سکتے ہیں۔ یہی روشنی ہمیں دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات دونوں کا راستہ دکھاتی ہے۔

# گمراہی سے واپسی

ارشد وحید

بھئی! میں تمہارا دین صرف اس لیے قبول کرلوں کہ تم ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے ہو، تمہارے آباؤاجداد کا مذہب اسلام تھا، اس طرح سے تو میرے آباؤاجداد کا مذہب عیسائیت تھا، اگر میں یہ کہوں کہ تم عیسائیت اپنالو تو کیسا رہے گا؟ امجد رائے جو میرا عیسائی دوست تھا، روز اس موضوع پر میری اور اس کی بحث ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی اس کے سوال ہتھوڑے بن کر میرے سر پر برستے تھے۔

میں یہ کیسے مان لوں کہ اللہ عزّوجل ہمارا رب ہے؟ میں یہ کیوں مان لوں کہ حضرت محمد ﷺ رسول ہیں؟ ہمیں ان کی پیروی کرنی چاہیے؟ جن کاموں کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے، وہ ہمارے مذہب میں بھی حرام ہے تو میں کیوں اسلام قبول کرلوں؟ امجد رائے کے یہ سوالات میرے دل و دماغ کو گم راہی کی طرف لے جاتے۔ کبھی کبھی میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ ضروری تو نہیں ہمارے بڑوں کا مذہب اسلام ہے تو یہی مذہب سچا ہو گا۔

امجد رائے کے پوچھے گئے سوالات کا جواب پانے کے لیے میں نے کئی مسلمان دوستوں سے جاننے کی کوشش کی تو ان کے پاس جتنا علم ہوتا وہ اتنا ہی جواب دیتے۔ روز کی بنیاد پر اس طرح کے سوال کرنا میری عادت بن چکی تھی۔ میرے اس بدلتے رویے اور بے ہودہ سوالوں کی وجہ سے ایک ایک کر کے میرے دوست مجھ سے دور ہوتے جا رہے تھے، لیکن مجھے ان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ یہاں تک کہ میں ایک دفعہ چرچ چلا گیا اور وہاں کے پادری سے ملاقات کی۔ اس کی باتوں نے میرے دل کو بہت سکون پہنچایا۔ اب روز چرچ جانا اور اس پادری سے ملنا میرا معمول بن گیا تھا۔ میں اسلام سے دور ہو گیا تھا۔ میں نے مذہبِ اسلام تقریباً چھوڑ دیا تھا اور اب میں نے دل میں یہ ٹھان لی کہ میں یہ ثابت کروں گا کہ اسلام سچا مذہب نہیں، جہاں مجھے چند مسلمان اکٹھے بیٹھے ملتے میں ان سے وہی بیہودہ سوال کرتا تو ان سے جواب نہ پا کر مجھے ایک دلی سکون سا محسوس ہوتا۔ ایک دوست نے تو اتنا کہہ دیا کہ ہم تمہیں کسی بڑے عالم کے پاس لے چلتے ہیں، وہی تمہارے سوالات کے جوابات دیں گے تو میرا یہی جواب ہوتا کہ تم کس بات کے مسلمان ہو؟ ان سوالات کا جواب تم لوگوں کو کیوں نہیں آتے؟ تم کس طرح کے مسلمان ہو؟ اس جواب پر وہ خاموش ہو جاتے۔ ان کی اس خاموشی میں، میں اپنی جیت سمجھتا تھا۔ اب تو جہاں بھی مجھے مسلمان ملتے تو ان کو تذلیل کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ مسلمان حضرت محمد ﷺ کو اپنا سچا اور آخری نبی مانتے ہیں اور ان کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں، کبھی کبھی یہ سوال بھی میرے ذہن کو جھنجھوڑتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی ایک انسان میں صرف خوبیاں ہی خوبیاں ہوں؟ اب اس بات کو غلط ثابت کرنے کے لیے میں نے مختلف قسم کی کتابوں کو پڑھنا شروع کیا۔ واقعات، روایات، احادیث، سیرت اور دیگر مذاہب کی کتابیں، لیکن ان کی کوئی ایک بھی خامی نہ مل سکی، یہاں تک کہ دیگر مذاہب کی کتابوں میں بھی ان کی صرف تعریف ہی تعریف لکھی ہوئی تھی۔۔۔ تو اس بات نے مجھے حیران کر دیا کہ دوست تو دوست ان کے دشمن بھی ان کی تعریف کرتے تھے۔ ان کی خامی نہ ملنے پر میرا برا حال ہوتا جارہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی تو خامی ہو گی، کوئی ایک۔۔۔ اب تو ان کی ایک خامی پکڑنے کے لیے میں نے اپنی کوششوں میں مزید اضافہ کیا، لیکن ایک اور بات نے مجھے نڈھال کر دیا کہ گنز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی پہلا نام انہی کا ہے۔ پے در پے ناکامیاں مجھے تھکا رہی تھی۔ میں مکمل طور پر تھک چکا تھا۔ یہ بات مجھے ماننے پر مجبور کر رہی تھی کہ حضرت محمد ﷺ دنیا کی وہ واحد ہستی ہیں، جن میں صرف خوبیاں ہی خوبیاں تھیں۔۔۔ تو یقیناً ان کو پیدا کرنے والا لا محدود خوبیوں کا مالک ہو گا۔

امجد میرا دوست جو کافی عرصے سے غائب تھا، اچانک میرے سامنے آیا تو یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ اس کے چہرے پر ڈاڑھی تھی، وہ مسکراتا ہوا میری جانب بڑھا اور مجھے سلام کیا۔ اس کے سلام کرنے پر میں نے اسے تعجب سے دیکھا۔

”جی ہاں عامر بھائی! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میرے سوالوں کے جوابات مجھے مل چکے ہیں، اس لیے اب میں مسلمان ہوں اور میرا نام عبداللہ ہے۔“ سب کچھ میری سوچ کے برعکس ہو رہا تھا۔ میں بوجھل قدموں سے گھر واپس آیا تو میں نے قرآن شریف کھولا تو سب سے پہلی آیت میرے سامنے آئی کہ ”انسان کو دیکھو! جو مجھ سے میرے ہونے کی نشانیاں مانگتا ہے، کیا اسے یہ آسمان زمین پہاڑ دریا جو میری کھلی نشانیاں ہیں، میرے ہونے کی دلیل ہیں، کیا اسے نظر نہیں آتیں۔“ اس ایک آیت نے ہی مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ کسی نے میرے سر پر زوردار ضرب لگائی ہو۔ قرآن شریف ہی تو وہ واحد کتاب ہے، جس میں کوئی آج تک غلطی نہیں نکال سکا اور ان شاء اللہ نہ ہی کوئی نکال پائے گا، کیوں کہ یہ اللہ عزّوجل کی کتاب ہے۔ میرے سوالات کے جوابات اس آیت سے مجھے مل گئے تھے۔ مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔ میں اتنا گر چکا تھا کہ اس وحدہ لاشریک ذات سے دور ہو گیا تھا۔ میں بے اختیار مسجد کی طرف بھاگا اور سجدے میں گر کر گڑگڑا کر اللہ عزّوجل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔ ندامت کے آنسو میں میری انکھوں سے نکل رہے تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے مردہ جسم میں کسی نے دوبارہ روح پھونک دی ہو۔ میں نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کی اور سچے دل سے گونج دار آواز میں کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزّوجل کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔“ مجھے ایسا لگا جیسے کل کائنات کی خوشیاں سمٹ کر میری جھولی میں آ گری ہوں۔

# BAITUSSALAM TECH PARK

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

## بیت السلام ٹیک پارک

## فری آئی ٹی کورسز

# FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

# شکر کا کلمہ

امِ محمد سلمان

سینکڑوں سال پرانا واقعہ ہے۔ ایک بندۂ خدا کسی ریگستان سے گزر رہا تھا کہ ویرانے میں ایک خیمہ نظر آیا۔ یہ آدمی اس ویرانے میں خیمہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ کوئی نظر نہ آیا تو اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا معذور شخص ہے، جس کے پاؤں بھی نہیں اور شاید اندھا بھی ہے۔ بس یوں ہی ایک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ یہ شخص اس کے قریب ہوا تو سنا کہ وہ بوڑھا معذور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ "یا اللہ تیرا شکر ہے، الحمد للہ تیرا شکر ہے۔" پاؤں سے معذور، آنکھوں سے نابینا اس ریگستان میں ایک جھونپڑی میں پڑا ہے اور اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے! یہ آدمی بہت حیران ہوا اور پوچھا: "بابا جی! کس بات پر شکر ادا کرتے ہو؟"

کہنے لگا: "دیکھ بیٹا! اللہ تعالیٰ نے ایمان تو عطا کیا ہوا ہے۔ زبان سے کلمہ طیبہ جاری کر دیا۔ روز کلمہ پڑھتا ہوں، درود پاک پڑھتا ہوں، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ابھی ایمان تو ہے اور جسم میں جان تو ہے کہ ذکر کر رہا ہوں اور نیک اعمال بڑھ رہے ہیں۔ اللہ پاک نے اتنی نعمتیں دے رکھی ہیں، اس رب کا شکر احسان ہے۔"

یہ شخص اس بابا کی باتوں پر حیران رہ گیا اور پوچھا کہ "بابا! اس ویرانے میں تمہاری دیکھ بھال کون کرتا ہے؟"

کہنے لگے: "میرا ایک جوان بیٹا ہے، جو میرا خیال رکھتا ہے۔ آج پورا دن گزر گیا وہ میرے پاس نہیں آیا، میں اس کے انتظار میں ہوں۔"

اس شخص نے کہا: "اچھا بابا جی! میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اس نوجوان کی تلاش میں نکلا۔ کچھ دور گیا تھا کہ ایک انسانی لاش ملی، جسے کسی درندے نے مار دیا تھا۔ اس نے بابا کو جا کر بتایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بابا اس اندوہناک موت پر خوب روئیں گے چلائیں گے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ نکلا۔ بابا نے سنا تو کہا: "الحمد للہ! میرے مولیٰ کا شکر احسان ہے۔"

وہ شخص نہایت حیرت زدہ ہوا کہ بابا جی اب کس بات کا شکر؟

بابا کہنے لگے: "میں اس بات پر شکر ادا کر رہا ہوں کہ وہ بہترین حالت میں اس دنیا سے گیا۔ راتوں کو تہجد پڑھنے والا، دن کو روزہ رکھنے والا، متقی پرہیزگار تھا اور والد کی خدمت کر کے دعائیں لینے والا تھا۔ وہ تو بہترین حالت میں دنیا سے گیا ہے۔ بری حالت میں بھی جا سکتا تھا۔۔۔ تو میں کیوں نہ اپنے رب کا شکر ادا کروں!"

❖❖❖

اسی طرح کا ایک واقعہ آج کے زمانے کا سنا کہ ایک شخص ایکسیڈنٹ کے دوران معذور ہو گیا۔ نچلا دھڑ مفلوج ہو گیا، بستر کا ہو کر رہ گیا، مگر اس حال میں بھی رب کا شکر ادا کرتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: "حضرت! اتنا بڑا حادثہ ہو گیا، آپ کس بات پر شکر ادا کر رہے ہیں؟"

کہنے لگے: "اتنے بڑے حادثے میں اللہ تعالیٰ نے جان بچا لی۔ ایمان سلامت ہے، زبان سلامت ہے، دیکھتا سنتا ہوں، کھاتا پیتا ہوں، اللہ کا ذکر کرتا ہوں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں دعائیں مانگتا ہوں۔۔۔ میرے اہل و عیال میرا خیال رکھتے ہیں۔ اتنا کچھ تو حاصل ہے تو میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں!!"

❖❖❖

نعمتوں کا ادراک رکھنے والے اور انھیں پہچاننے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ہمارے لیے عبرت کا مقام ہے۔ شکر ادا کرنے والے تو ایسی ایسی محرومیوں کو نظر انداز کر کے بھی رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور آج ہم ذرا ذرا سی باتوں پر پریشان اور دکھی ہونے والے سوچیں کہ کون سی نعمت ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے؟ سر سے پاؤں تک نعمتوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

❖❖❖

ذرا سوچیں اس دنیا میں کتنے ہی لوگ روزانہ کافر پیدا ہوتے ہیں۔ کتنے ہی جانور پیدا ہوتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں، لیکن رب نے ہمیں انسان بنایا، کتا بلی نہیں بنایا۔ اشرف المخلوقات پیدا کیا اور اس میں بھی مسلمان پیدا کیا اور مسلمانوں میں بھی اپنے محبوب پیغمبر، نبیِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی امت میں پیدا کیا۔ ساری امتوں میں سب سے افضل امت میں پیدا کرنا کیا یہ کچھ کم احسان ہے!

کھاتے پیتے ہیں، سانس لیتے ہیں، جسمانی نظام سب ٹھیک کام کرتے ہیں، پھر بھی ذرا کوئی مشکل یا پریشانی پیش آ جائے تو شکوے شکایت اور ناشکری کرتے زبان نہیں تھکتی۔۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بیٹھے رہتے ہیں اور خود اپنا جینا محال کرتے ہیں، حالاں کہ ہمارے پاس شکر کرنے کے لیے بہت کچھ ہے، اتنا کہ ہم شمار نہیں کر سکتے۔

❖❖❖

ایک دن کا ذکر ہے، نزلے زکام کی وجہ سے ناک بند ہو گئی۔ سانس لینے میں بہت دشواری پیش آ رہی تھی۔ رات سوتے ہوئے سانس کی تنگی کی وجہ سے بار بار اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ اچانک ایک خیال آیا اور بے اختیار دل کو تڑپا دیا۔۔۔ مولیٰ! ساری زندگی میں ایک بار بھی سانس کے اتنی آسانی سے آنے جانے پر تیرا شکر ادا نہیں کیا۔ آج مشکل پڑی تو یاد آیا کہ یہ جو سانسوں کی آمد و رفت ایک تواتر سے جاری ہے، یہ رب کی کتنی بڑی نعمت ہے! چلتے پھرتے، دوڑتے بھاگتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے غرضیکہ کوئی بھی کام کرتے ہوئے کتنی آسانی سے سانس رواں رہتا ہے، مگر کبھی بھی اس نعمتِ عظمیٰ کے شکر ادا کرنے کا خیال نہیں آیا۔

❖❖❖

جی چاہتا ہے کبھی بیٹھ کر لکھنا شروع کروں کہ ربِّ کریم نے کتنی نعمتوں سے نوازر کھا ہے، مگر کہاں لکھ سکتی ہوں! اس کی نعمتوں کا شمار ممکن ہی کہاں ہے!

لیکن پھر بھی کبھی کبھی بیٹھ کر مراقبہ ضرور کرنا چاہیے کہ ہم پر ربُّ العالمین کے کتنے احسانات ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سورۂ ابراہیم میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم: ۱۸)

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے۔

لیکن اس کے باوجود بھی ہم میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں "ہمارے پاس یہ نہیں، ہمارے پاس وہ نہیں۔ لوگوں کو دیکھو کیسی شاندار زندگی ہے، ان کے پاس سب کچھ ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں!"

اور اس ناشکری کے عالم میں جو نعمتیں اپنے پاس ہیں، وہ بھی نظر نہیں آتیں۔

کسی کو زیادہ ملا کسی کو کم! یہ اللہ کی تقسیم ہے، کیوں کہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، عیش کی نہیں!

فلسطین کی وادیوں میں جب صبح کی پہلی کرن پھوٹتی تو سمیرا اپنی چھوٹی سی جھونپڑی کے باہر کھڑی ہو کر سورج کو سلام کرتی۔ وہ ہر روز یہی سوچتی کہ شاید آج اس کا باپ لوٹ آئے گا، مگر ہر صبح اس کی اُمیدوں پر دھول گر جاتی۔ اس کا باپ، جس کے ہاتھوں میں زیتون کے درختوں کی مہک بسی تھی، تین سال پہلے اس وقت غائب ہو گیا تھا جب فوجیوں نے اسے گھر سے اٹھا لیا تھا۔

سمیرا کی ماں، اُمِ یوسف، اپنے بیٹے کے ساتھ زیتون کے باغات میں کام کرتی تھی۔ ان کا گھر، جو کبھی خوشیوں سے بھرا ہوتا تھا، اب خاموشی کے سائے تلے دب گیا تھا۔ گاؤں کے لوگ بھی ایک ایک کر کے غائب ہو رہے تھے۔ کچھ قید ہو گئے، کچھ شہید۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اُمید کی کرنیں ماند پڑتی جا رہی تھیں۔

ایک دن، جب سمیرا اسکول سے واپس آ رہی تھی، اس نے دور سے دھویں کے بادل اُٹھتے دیکھے۔ اس کا دل دھڑکا۔ وہ دوڑتی ہوئی گھر پہنچی تو دیکھا کہ اس کا گھر جل رہا تھا۔ فوجی وہاں کھڑے ہنس رہے تھے۔ اس کی ماں اور بھائی کو گھسیٹ کر باہر لایا جا رہا تھا۔

"ماں!" سمیرا نے چیخ کر پکارا۔

اُمِ یوسف نے اپنی بیٹی کو دیکھا اور آنکھوں سے اشارہ کیا کہ بھاگ جائے، مگر سمیرا بھاگنے والی نہ تھی۔ وہ فوجیوں کی طرف بڑھی تو ایک نے اسے دھکا دے کر گرا دیا۔

"یہ بچی بھی انہی میں سے ہے، لے جاؤ!" ایک فوجی نے کہا۔

سمیرا کو بھی ایک بڑی گاڑی میں ڈال دیا گیا، اندر اور بھی بچے تھے۔ سب کے چہرے خوف سے سہمے ہوئے تھے۔ گاڑی چلی تو سمیرا نے اپنے گاؤں کی طرف دیکھا۔ زیتون کے درخت، جو اس کے باپ نے لگائے تھے، آگ میں جل رہے تھے۔

سمیرا کو ایک تاریک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ وہاں نہ کوئی کھڑکی تھی، نہ ہی وقت کا احساس۔ دن اور رات کا فرق مٹ چکا تھا۔ کبھی کبھار کوئی فوجی آتا اور ان بچوں سے سوالات پوچھتا۔

"تمہارے گاؤں میں ہتھیار کہاں چھپے ہیں؟"

"تمہارے باپ دہشت گرد ہیں، ہمیں بتاؤ وہ کہاں ہیں؟"

سمیرا کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ صرف روتی رہتی۔

ایک دن اسے ایک عورت نے دیکھا جو کہہ رہی تھی: "یہ بچی تو صرف سات سال کی ہے، اسے چھوڑ دو!" مگر کسی نے اس کی بات نہیں سنی۔

دن گزرتے گئے۔ سمیرا بیمار پڑ گئی۔ اسے بخار تھا، مگر کسی نے دوا نہ دی۔ ایک رات، جب سب سو رہے تھے، اس نے ایک آواز سنی۔

"سمیرا... اُٹھو!" یہ اُمِ یوسف کی آواز تھی۔ سمیرا نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اس کی ماں اور کچھ اور عورتیں چپکے سے اندر آئی تھیں۔

"جلدی چلو، ہمیں موقع ملا ہے۔" سمیرا نے اپنی کمزور ٹانگوں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ ماں نے اسے اٹھا لیا اور وہ سب خاموشی سے راستہ تلاش کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

جب سمیرا ہوش میں آئی تو وہ ایک غار میں تھی۔ اس کے ارد گرد کچھ اور لوگ بیٹھے تھے۔ سب کے چہرے تھکے ہوئے تھے۔ اُمِ یوسف نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہم اب محفوظ ہیں، بیٹا!" مگر سمیرا جانتی تھی کہ محفوظ ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اس کا گھر جل چکا تھا۔ اس کا باپ غائب تھا۔ اس کا بچپن چھن چکا تھا۔

"ماں... ہم کہاں جائیں گے؟" اس نے پوچھا۔

اُمِ یوسف نے آنسو پونچھے۔ "ہمارے پاس اب صرف اللہ ہے۔" کچھ دن بعد، سمیرا اور اس کی ماں ایک کیمپ میں پہنچ گئے۔ وہاں ہزاروں لوگ تھے جو اپنے گھروں سے بے گھر ہو چکے تھے۔ ہر کوئی اپنی کہانی سناتا۔ کسی کا بیٹا شہید ہو گیا تھا، کسی کی بیٹی لاپتا تھی۔

سمیرا نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو زیتون کا ایک چھوٹا سا پودا لگا رہا تھا۔

"یہ کیوں لگا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا، "کیوں کہ یہ درخت ہماری زمین کی علامت ہے۔ یہ جیت جائے گا، چاہے ہم نہ رہیں۔" سمیرا نے سوچا کہ شاید ایک دن اس کی زمین آزاد ہو گی۔ شاید ایک دن اس کے ابو واپس آئیں گے۔ شاید ایک دن وہ اپنے گھر کی چھت کے نیچے سو پائے گی۔

مگر آج کے لیے، وہ صرف ایک چھوٹا سا زیتون کا پودا تھا جو اس اُمید پر لگایا گیا تھا کہ کل کچھ بہتر ہو گا۔

# زمین کے آنسو

حفصہ فیصل

## فلسطینی عوام کے دُکھ اور جدوجہد کو بیان کرتا افسانہ

کامیابی اور ناکامی کے فیصلے آخرت میں ہونے ہیں کہ کون جنّت میں گیا اور کون دوزخ میں۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر ارشاد فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے۔ اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد یہ دعا ہرگز ترک نہ کرنا:

اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

"اے اللہ! اپنا ذکر کرنے، شکر کرنے اور بہتر انداز میں اپنی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔"

رسول اللہ ﷺ نے کتنی محبت و اپنائیت کے ساتھ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید فرمائی تھی... اس سے ظاہر ہے کہ یہ دعا کوئی معمولی دعا نہیں۔ یہ دعا یقیناً انسان کی خوش بختی کے دروازے کھولنے والی ہے۔ پس ہر نماز کے بعد ربُ العالمین کے دربار میں جھولی پھیلا دینی چاہیے کہ ہمیں بہترین طریقے سے اپنا ذکر کرنے، شکر ادا کرنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اس کی توفیق کے بغیر ہم اس کا شکر ادا کرنے کے بھی لائق نہیں، مگر کوئی دل کی تڑپ کے ساتھ توفیق مانگنے والا بھی تو ہو...!

# انمول نیکی

انیسہ عائشہ

"یہ میمیں بڑی بے حس ہوتی ہیں فاطو! اپنے پھٹے پرانے کپڑے، باسی بچے سالن دیتی ہیں ہم کام والیوں کو۔ ذرا انھیں خیال نہیں کہ ہم بھی انھی کی طرح انسان ہیں، مگر تجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ان کا ہمارے بغیر گزارا بھی کوئی نہیں، ایک دن بھی ہم چھٹی کر لیں تو ان سے کام نہیں ہوتا، تو کھرا کھرا حساب رکھیں" پینو ڈری سہمی، گھبرائی گھبرائی سی فاطمہ کو بڑے رسان سے سمجھا رہی تھی اور وہ ساری باتوں کو پلو سے باندھے جا رہی تھی۔

◆◆◆

میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہوں۔ میری زندگی اپنے شوہر، دو بچوں خزیم اور شریم کے گرد گھومتی ہے۔ صبح خزیم شریم کو اسکول بھیجنے کے بعد کالج پہنچتی ہوں اور واپسی پر دوپہر کا کھانا اور باقی کام نمٹا لیتی ہوں۔ میرے بچے اور شوہر بہت اچھے ہیں ز، وہ گھر کے کاموں میں میرا برابر ہاتھ بٹاتے ہیں۔ سو یوں ہنسی خوشی زندگی گزر رہی ہے۔ پچھلے دنوں ہماری پڑوسن کی کام والی آئی، وہ بتا رہی تھی کہ ایک شریف اور ضرورت مند عورت مالی مجبوری کی وجہ سے کام کرنا چاہتی ہے، مگر اس کو کوئی کام نہیں مل رہا۔ مجھے نہ جانے کیا ہوا اسی وقت کھڑے کھڑے پینو کو اسے لانے کا کہہ دیا۔ وہ اگلی صبح ہی فاطو کے ساتھ آ موجود ہوئی۔ یوں فاطمہ ہمارے ہاں کام کرنے لگی۔ فاروق صاحب اور بچے پہلے تو اس کایا پلٹ پر حیران ہوئے، پھر خوشی کا اظہار کیا کہ آخر مجھے ان کی بات سمجھ میں آ ہی گئی۔ فاروق صاحب مجھے کاموں میں الجھا دیکھتے تو اکثر کام والی رکھنے کے مشورے سے نوازتے ہی رہتے تھے۔ صاف ستھری، خاموش طبع سی فاطمہ عرف فاطو مجھے پسند آئی تھی۔ نہ باتونی، نہ کھود کرید، تجسّس ٹوہ کی عادت۔ برق رفتاری سے کام نمٹایا اور چلی گئی، چوں کہ وہ مجھے دلی طور پر پسند آ گئی تھی، سو میں وقتاً فوقتاً تحفے کی صورت میں اس کی مدد کی کوشش کرتی رہتی۔ دو، تین ماہ تک سب ٹھیک رہا، مگر اب فاطمہ کے معمولات میں تبدیلی آنے لگی تھی۔ وہ کام میں کوئی نہ کوئی کمی چھوڑ دیتی یا چیزیں فضول خرچی سے استعمال کرتی۔ آئے روز پیسے مانگنا اور چھٹیاں کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ میں نے ایک دو بار اسے تنبیہ بھی مگر بے سود۔ میں اسے سخت سست نہ سنا پائی کہ ایک تو میں طبیعتاً با مروت اور صلح جو ہوں اور دوسرا مجھے شک تھا کہ فاطمہ ایسی نہیں ہے، کوئی اور ہے جو اسے گم راہ کر رہا ہے۔

◆◆◆

پینو فاطمہ کو ٹی وی کے سامنے بٹھا کر خود نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ فاطمہ نے بے زاری سے ٹی وی کی اسکرین پر نظر ڈالی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر نگاہ وہیں ٹک رہ گئی۔ خون میں لت پت پڑا آٹھ نو سالہ بچہ اور اس کے پس منظر میں اینکر چیختی ہوئی آواز میں بتا رہی تھی کہ بلال نامی بچہ اپنے امیر مالک کے گھر کام کرتا تھا، جہاں اس کی ذمے داری ان کے چھوٹے بیٹے کو سنبھالنے کی تھی۔ مالکن کا رویہ سخت تھا۔ گزشتہ روز کی بات ہے کہ مالکن کے چھوٹے بچے نے پالتو بلی کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس کی مونچھیں کھینچ دیں۔ نتیجتاً بلی نے بچے کو پنجہ رسید کر دیا، جس سے بچے کے ہاتھوں سے خون نکل آیا۔ اپنے بچے کا خون دیکھ کر مالک اتنا سیخ پا ہوا کہ اس نے بلال کو لوہے کے راڈ سے مار مار کر اس کا خون بہا دیا۔ چینل والے بار بار اس بچے کی تصاویر دکھا رہے تھے اور مرچ مسالے کے ساتھ ظلم کی داستان سنا رہے تھے۔ فاطمہ یہ دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ اسی لمحے اسے اپنی مالکن یاد آئی، جس نے ڈانٹ ڈپٹ تو دور کبھی کرخت لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ اپنے کپڑوں، جوتوں کے ساتھ اس کے لیے بھی ضرور لاتی۔ روزانہ کے بنے تازہ سالن میں اس کا حصہ ضرور ہوتا۔ اس بچے کو دیکھ کر اسے اپنا بیٹا یاد آیا جو خزیم شریم کے ساتھ کھیلتا، ان کا ہی بھائی لگتا تھا۔ اس کا دل یکایک ندامت سے بھر گیا۔ وہ شروع میں پوری ایمان داری سے کام کرتی تھی، مگر پینو روز اس کے پاس آتی اور اپنی مالکنوں کے بارے میں وہ وہ قصے سناتی اور مثالیں دیتی جو فاطمہ کو بدگمان کرتی اور اسے اکساتی کہ وہ اپنے کام میں ڈنڈی مارے۔ اچھی طبیعت کے باعث فاطمہ کو یہ باتیں بہت ناگوار گزرتیں، مگر پینو کی مسلسل برین واشنگ نے سادہ مزاج فاطمہ پر کچھ نہ کچھ اثر کر ہی دیا تھا۔ وہ کچھ دن پینو کی ہدایات پر عمل کر لیتی، مگر پھر ضمیر کے ہاتھوں تنگ ہو کر رہ جاتی۔ آج بھی وہ اپنی اسی الجھن کو لیے پینو کی طرف آئی تھی، مگر اب اسے جواب مل گیا تھا۔ اب اسے پینو کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

◆◆◆

میں لاؤنج میں بیٹھی فاطمہ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ میں بھیک مانگنے کی بجائے محنت مزدوری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے والوں میں سے ہوں۔ مجھے فاطمہ کا کام اچھا لگا تھا، مگر اس کی بددیانتی نے مجھے افسردہ کر دیا تھا۔ مجھے اس کی اشد ضرورت نہیں تھی۔ میں چاہتی تو اسے فارغ کر سکتی تھی، مگر اس کام سے اس کی روزی روٹی اور مالی ضروریات پوری ہو رہی تھیں۔ یہاں پہ آ کر میں کم زور پڑ جاتی۔ اسی دوران فون کی بجتی گھنٹی نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔ آپی کا فون تھا۔ میں نے اسپیکر کھول کر فون قریب رکھا اور خود صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ باتوں باتوں میں، میں نے اپنی الجھن ان سے شئیر کر ڈالی۔ آپی پہلے ہی بھری ہوئی تھیں، بولیں: "آج کل بالکل بھی اعتبار کا زمانہ نہیں ہے۔ آئے روز خبروں میں سنتے ہیں، یہ کام والیاں مختلف جرائم میں ملوث ہوتی ہیں۔ تمھیں ضرورت نہیں تو نکال باہر کرو اسے۔ اس کی ضرورت اس کا مسئلہ۔۔۔ مجھے تو ویسے ہی شک ہو رہا ہے،

# سوشل میڈیا اور ہماری زندگی

مریم رضوان

### خوشیوں کا پردۂ فریب

آج کی دنیا میں جہاں نظر اٹھائیں، کامیابی اور مسرّت کے مناظر نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں۔ سوشل میڈیا کی اسکرین کھولیں تو ہر چہرہ مسکراتا دکھائی دیتا ہے۔ کہیں رنگین سیر و تفریح کے مناظر ہیں، کہیں قیمتی کھانوں کی تصاویر اور کہیں خوشیوں سے دمکتی جھلکیاں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا میں دکھ، ناکامی اور اُداسی کا سایہ تک نہیں۔

مگر یہ حقیقت نہیں۔ یہ صرف زندگی کا ایک رُخ ہے، ایک "نصف سچائی۔" جب ہم اسے پورا سچ سمجھ لیتے ہیں تو اپنی اصل زندگی کو چھوٹی، بے رنگ اور ادھوری محسوس کرنے لگتے ہیں۔

### حقیقت کی اوٹ میں

سوشل میڈیا نے فاصلے سمیٹ دیے، علم کو عام کیا اور دنیا کو قریب لایا، مگر اس کے آئینے میں صرف وہ عکس جھلکتا ہے جو خوشنما اور دلکش ہوتا ہے۔ محنت کی تھکن، ناکامیوں کا کرب، آنکھوں کے آنسو اور دل کے زخم اس پردے کے پیچھے چھپ جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر اس نمائشی دنیا کو حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں اور اپنی زندگی کو دوسروں کے پیمانوں پر تولنے لگتے ہیں۔ پھر دل میں بے سکونی، ناشکری اور احساسِ محرومی جنم لیتا ہے۔

### دل پر پڑنے والے سائے

جب ہم سوشل میڈیا کو اپنی زندگی کا مرکز بنا لیتے ہیں تو اس کے یہ اندھیرے ہمارے دلوں پر اتر آتے ہیں:

**موازنہ:** اپنی زندگی کو دوسروں کے دکھاوے سے جانچنا۔

**احساسِ کمتری:** یہ سوچنا کہ ہر کوئی خوش ہے، بس میں ہی اُداس ہوں۔

**حسد اور تنگ دلی:** دوسروں کی خوشیوں کو دیکھ کر دل میں چبھن محسوس ہونا۔

**ناشکری اور بے سکونی:** اپنی بے شمار نعمتوں کو بھلا دینا اور ہمیشہ کمی کا شکار رہنا۔

**قرآن و سنت کی روشنی:** اسلام ہمیں حقیقت پسندی اور قناعت کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور ہم نے دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشا ہی بنایا ہے۔" (الانعام: 32)

یعنی یہ دنیا اصل حقیقت نہیں بلکہ ایک وقتی فریب ہے۔ اس کی چمک دمک عارضی ہے، جبکہ اصل حقیقت آخرت ہے۔

سوشل میڈیا اسی فریب کو اور بڑھا دیتا ہے، جہاں لوگ اپنی زندگی کے صرف حسین گوشے دکھاتے ہیں اور مشکلات کو چھپا لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو اور اپنے سے اوپر والوں کو مت دیکھو۔ یہ زیادہ مناسب ہے، تاکہ تم اللہ کی نعمتوں کو کم نہ سمجھو۔" (صحیح مسلم)

مگر آج کا انسان اس نصیحت کو بھلا بیٹھا ہے۔ دوسروں کی خوشنما تصویریں دیکھ کر اپنی زندگی کو بے رنگ سمجھنے لگا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جس پر رُک کر سوچنے کی ضرورت ہے۔

### زندگی کی اصل تصویر

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ مسافر کبھی سامانِ سفر پر فخر نہیں کرتا، وہ منزل کو یاد رکھتا ہے۔ ہم یہاں کچھ وقت کے مہمان ہیں۔ جب وقت پورا ہوگا تو یہ رنگ برنگی دنیا پیچھے رہ جائے گی اور اصل زندگی ہمارے سامنے ہوگی۔

سوشل میڈیا ہمیں وہ دکھاتا ہے جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں، مگر حقیقت کی تصویر چھپا لیتا ہے۔ یہی آدھا سچ ہمیں اپنی زندگی سے بیزار اور دوسروں کی زندگی سے مرعوب کر دیتا ہے۔

### ہماری ذمے داری

اب سوال یہ ہے کہ ہم اس فریب سے کیسے بچیں؟

◆ سوشل میڈیا پر جو کچھ دیکھیں، اسے "کامل حقیقت" نہ سمجھیں۔

◆ اپنی اصل زندگی کے لمحات (عبادت، علم، خاندان) کو زیادہ اہمیت دیں۔

◆ وقت کا حساب رکھیں اور مخصوص اوقات میں ہی سوشل میڈیا استعمال کریں۔

◆ بچوں اور نوجوانوں کو سمجھائیں کہ ہر تصویر حقیقت نہیں ہوتی۔

◆ لائکس اور فالوورز کی دوڑ کے بجائے اللہ کی رضا کو مقصد بنائیں۔

سوشل میڈیا کی دنیا محض ایک "پردۂ فریب" ہے، حقیقت نہیں۔ اسے حقیقت سمجھ کر اپنی روح کو بے سکون اور دل کو ناشکر گزار نہ بنائیں۔ سکون دولت یا شہرت میں نہیں، بلکہ اللہ کی یاد اور قناعت میں ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

لہٰذا سوشل میڈیا استعمال کریں، مگر اس کے فریب میں نہ آئیں۔ حقیقت کو پہچانیں، زندگی کو شکر گزاری کے ساتھ گزاریں۔ یاد رکھیں! کسی کی بھی زندگی پرفیکٹ نہیں۔ خوشی اور غم دونوں مل کر ہی زندگی کو مکمل کرتے ہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ ہم اپنی نگاہوں کو دنیا کی چمک سے ہٹا کر آخرت کی روشنی پر جما دیں۔

---

اگر اسے ضرورت ہوتی تو وہ نہ صرف اچھے طریقے سے کام کرتی بلکہ تمہاری احسان مند بھی رہتی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اسے نکال دو۔ اچھا اب میں فون رکھنے لگی ہوں۔ اللہ حافظ!"

میں گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ اگلا لمحہ مجھے ششدر کرنے کے لیے کافی تھا۔ فاطمہ میرے قدموں میں بیٹھی تھی۔ "باجی جی! مجھے معاف کر دیں۔ مجھے کام سے فارغ مت کریں۔ میں ایمانداری سے سارا کام کروں گی۔ آپ کی تنخواہ سے میرا گھر چل رہا ہے، مجھے معاف کر دیں۔ میں پینو کی باتوں میں آ گئی تھی۔ پینو کہتی ہے کہ۔۔۔۔" اس کے چہرے پر گہری ندامت اور لہجے میں لجاجت تھی۔ اس کی زبانی پینو نامہ سن کر مجھے سارا معاملہ سمجھ آ گیا۔ "ٹھیک ہے فاطمہ! ٹھیک ہے۔" میں نے خود کو کہتے پایا۔ فاطمہ ممنونیت اور تشکر کے اثرات سے مغلوب تھی۔

◆◆◆

اگلی صبح بہت روشن اور پیاری تھی۔ میں نے چائے کا مگ لبوں سے لگاتے فاطمہ پر نگاہ ڈالی۔ مستعدی سے کام نمٹاتے ہوئے اس کے چہرے پر طمانیت اور خوشی پھیلی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنے من میں سکون اترتا محسوس ہوا۔ بالآخر میری نیکی رائیگاں نہیں گئی تھی۔

# عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

## سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

**5 روپیہ** صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

# تنہائی

مہوش اسد شیخ

"حدید۔۔۔! حدید!" ٹیپو اسے پکارتا ہوا آنگن میں داخل ہوا۔ مسلسل بھاگنے کی وجہ سے اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

حدید کے ہاتھ رُک گئے۔ وہ سر اٹھا کر آواز کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا ہوا؟" وہ وہیں سے چلایا۔

"میں نے سنا ہے تو شہر جا رہا ہے۔" وہ ہانپتا ہوا صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ چکا تھا۔ حدید نے چارہ بھینس کے آگے پھینکا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا ٹیپو کی طرف چلا آیا۔

"ہاں! میں پڑھنے لکھنے کے واسطے شہر جا رہا ہوں۔" حدید مسکراتا ہوا اپنے دوست ٹیپو کے برابر بیٹھ گیا۔

"ہم کسان لوگ ہیں، ہمارے پڑھنے لکھنے کا کیا فائدہ؟" ٹیپو نے منھ بنایا۔

"یہی بات ابا نے بھی کہی تھی، لیکن چاچا کہتا ہے پڑھا لکھا کسان، ایک اَن پڑھ کسان کے مقابلے میں اپنی فصل کی بہتر دیکھ بھال کر سکتا ہے۔ زمین کے مسئلے زیادہ اچھے طریقے سے حل کر سکتا ہے۔" حدید نے اپنے چاچا سلیم کے الفاظ دہرا دیے۔

ٹیپو سمجھ تو نہ سکا، لیکن تفہیمی انداز میں سر ہلانے لگا۔

"لیکن ہم سب تیرے بغیر اُداس ہو جائیں گے، تو نہ جا!" اس نے حدید کا ہاتھ پکڑ کر گویا اسے روکنے کی کوشش کی۔

"اُداس تو میں بھی ہو جاؤں گا، لیکن جب میں پڑھ لکھ کر آؤں گا تو گاؤں کے بچوں کو خود ہی پڑھا دوں گا۔ میری طرح کسی کو اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جانا پڑے گا۔" حدید کی آنکھیں مستقبل کے خیال سے چمکنے لگی تھیں۔

"یہ شہر کیسا ہوتا ہے؟ سنا ہے وہاں جانے والا واپس نہیں آتا، تیرا چاچا بھی تو وہیں کا ہو کر رہ گیا۔" ٹیپو اُداسی سے بولا۔

"شہر کا قصور نہیں ہوتا، یہ تو انسان کی نیت ہوتی ہے جو اسے شہر سے باندھ دیتی ہے۔ تم فکر نہ کرو، میری نیت بالکل صاف ہے، ویسے بھی میں شہر رہ کر کیا کروں گا، میرے یار بیلی تو سارے یہاں ہیں گاؤں میں۔" حدید اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے مسکرایا۔

ٹیپو بھی زبردستی مسکرا دیا۔ حدید کی باتوں پر اعتبار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

حدید کو شہر آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ آج کل مصروفیات اتنی تھی کہ سلیم کوشش کے باوجود اسکول میں اس کا داخلہ نہیں کروا پایا تھا۔ وہ صبح کا گھر سے نکلا شام کو واپس آتا تھا۔ چاچی گھر میں کام نمٹا کر محلے والوں کے کپڑے سینے بیٹھ جاتی تھی۔

سلیم بے اولاد تھا۔ اپنے گھر کی بے رونقی مٹانے کو وہ آٹھ سالہ حدید کو شہر اپنے پاس لے آیا تھا۔ گاؤں کی پُر رونق جگہ چھوڑ کر وہ یہاں آ کر بہت اُداس سا ہو گیا تھا۔ کوئی بات کرنے والا نہ تھا، چاچی اس کا خیال تو بہت رکھ رہی تھی، لیکن وہ طبعاً کم گو تھی۔ اس کی آواز تو کم ہی سنائی دیتی، سارا دن اس کی مشین کی کھٹ کھٹ گھر میں گونجتی رہتی تھی۔ سلیم کا گھر زیادہ بڑا تو نہ تھا، دو کمرے ایک کچن اور غسل خانے کے سامنے کھلا صحن تھا۔ صحن آدھا پکا اور آدھا کچا تھا اور دیوار کے ساتھ نیم کا پیڑ تھا۔ حدید کا شوق دیکھتے ہوئے سلیم نے اس پیڑ پر اسے جھولا ڈال دیا تھا۔ یہ گھر گاؤں کے گھر سے بہت چھوٹا تھا۔

وہ سارا دن اس جھولے پر بیٹھا گزرے دنوں کو یاد کرتا رہتا۔ ایک دن دل اتنا گھبرایا کہ وہ مرکزی دروازہ کھول کر باہر گلی میں نکل گیا۔ باہر بالکل سنسانی تھی۔ دور دور تک کوئی دِکھائی نہ دے رہا تھا۔ سلیم کا گھر ایسی جگہ تھا، جہاں آبادی زیادہ نہ تھی۔ یہ جگہ اُجاڑ بیابان سی تھی، چند گھر تھے وہ بھی دور دور۔۔۔ وہ بلا مقصد باہر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، جب چاچی کی آواز کانوں میں پڑی وہ دروازہ کھلا دیکھ کر باہر نکل آئی تھی۔

"یہ تیرا گاؤں نہیں ہے، جب جہاں دل کیا منھ اُٹھا کر چل دیا۔ یہ شہر ہے، یہاں بڑے بڑے حادثے ہوتے ہیں۔ دن دہاڑے بچے اغوا ہو جاتے ہیں۔ گھر کا دروازہ کھلا دیکھ کر چور ڈاکو اندر گھس آتے ہیں اور سب کچھ لوٹ کر لے جاتے ہیں اور مار بھی جاتے ہیں" چاچی کی آواز اونچی نہ تھی، لیکن لہجہ خوفزدہ کر دینے والا تھا۔ وہ حدید کو بازو سے تھامے اندر لے گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

"میں کیا کروں چاچی! میرا دل بہت گھبراتا ہے، یہاں دل نہیں لگ رہا۔" وہ رو دینے کو تھا۔

"نہ میرا بچہ رونا نہیں! دیکھ تیرا چاچا آج کل تھوڑا مصروف ہے، جلدی وہ تجھے اسکول داخل کروا دے گا، پھر دیکھنا کتابوں کے ساتھ تیرا کتنا دل لگے گا۔ اسکول میں نئے نئے دوست بن جائیں گے۔ صبح اسکول جائے گا، اچھا وقت گزار کر دوپہر گھر آئے گا۔ کھانا کھا کر ہوم ورک کرے گا۔ وقت پر لگا کر اڑنے لگے گا اور تجھے پتا بھی نہیں چلے گا۔" چاچی اسے اپنے ساتھ لگائے مستقبل کی خوب صورت منظر کشی کر رہی تھیں۔ اپنے آنسو بمشکل اندر اتار کر اس نے چاچی کو مسکرا کر دکھایا وہ انھیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"چل تو جھولا جھول، میں چائے بناتی ہوں، پھر دونوں بیٹھ کر پییں گے۔" وہ اسے پچکار کر کچن کی طرف چلی گئیں اور حدید پیڑ کے نیچے چلا آیا۔

کچھ دیر یونہی وہ کھڑا پیڑ کو دیکھتا رہا۔

"مجھے لگتا ہے میری طرح تم بھی تنہا ہو، تنہائی بہت محسوس کرتے ہو۔ دیکھو! تمہاری شاخیں روکھی سی ہوتی جا رہی ہیں، میرے چہرے کی طرح تم نے میرے گاؤں کے درخت نہیں دیکھے کیسے ہرے بھرے ہیں۔ اور میری عمر کے لڑکوں کے قہقہے" وہ افسردگی سے بات ادھوری چھوڑ کر جھولے پر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے دوست یاد آنے لگے۔ آنکھوں میں نمکین پانی بھرنے لگا۔

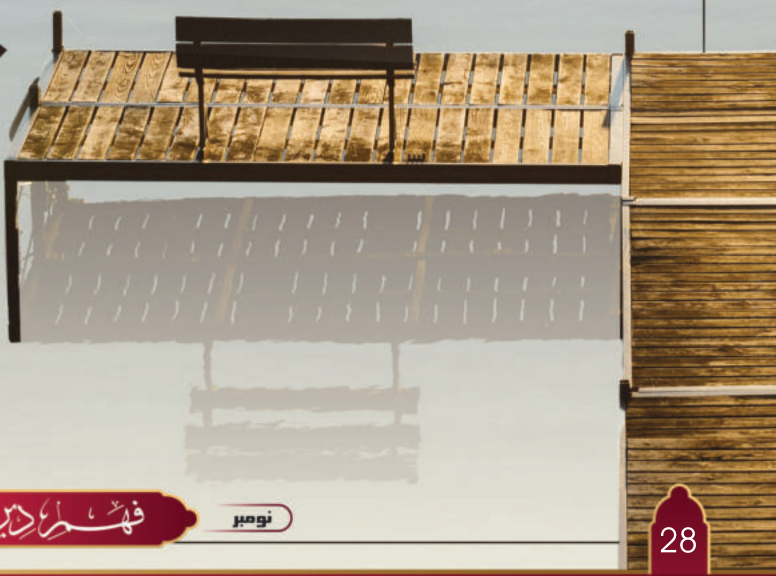

"میں نے دیکھا ہے، یہاں دور دور تک کوئی درخت نہیں۔ اپنی تنہائی کا تو میرے پاس کوئی

# رسمِ دنیا

میر جواد ٹالپر

وہ جاتی گرمیوں کی ایک اُداس شام تھی۔ وسیع و عریض دو منزلہ عمارت۔ ایک بوڑھی عورت صحن میں بنے ہوئے کمرے سے باہر نکلی اور صحن میں لگے برگد کے درخت کے نیچے پڑی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ درخت کو اس بوڑھی عورت کے ساتھ ہمدردی محسوس ہوئی تو اس نے اپنے کچھ پتے جھاڑے جو سیدھا اس بوڑھی عورت کے شانوں پر گرے۔

اس نے منہ اوپر کر کے دیکھا۔ اسے لگا جیسے برگد کا درخت مسکرا رہا ہو۔

"کیا ہوا؟" درخت نے جیسے سرگوشی کی۔

"کچھ نہیں۔" بوڑھی عورت نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

درخت ہوا سے لہرایا اور اس کی ساری شاخیں نیچے جھک گئیں، جیسے کہہ رہا ہو کہ تم مجھ سے اپنا دکھ بانٹ سکتی ہو۔

بوڑھی عورت نے برگد کے درخت کی طرف دیکھا اور بولنا شروع کیا۔

"جب وہ اس دنیا سے جا رہے تھے، تب انھوں نے ایک وصیت کی تھی۔" اس بوڑھی عورت نے اپنے شوہر کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"وصیت کی تھی کہ جب تک میں زندہ رہوں گی، تب تک تم سب ایک ساتھ اس گھر میں رہو گے۔ کوئی بھی اسے بیچ کر الگ الگ گھر میں نہیں جائے گا، میرے جانے کے بعد جو مرضی کرنا اور جائیداد تقسیم ہو جائے گی، لیکن۔۔۔" بوڑھی عورت کرب سے تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئی۔

"میرے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔" بوڑھی عورت نے وضاحت کی۔

"کچھ دن گذرنے کے بعد آہستہ آہستہ ان کے رویے بدلنے لگے۔ وہ مجھے ایک بوجھ سمجھتے تھے، وہ اس انتظار میں تھے کہ میں مروں اور جائیداد تقسیم ہو جائے۔ ایک دن ان لوگوں نے کہا: "یہاں سے نکل کر باہر صحن میں جو کمرہ ہے اس میں شفٹ ہو جاؤ، وہ زیادہ کھلا اور ہوادار ہے۔"" "بھلا ایک ہی لگی ہوئی کھڑکی والا کمرہ کیسے ہوادار ہو سکتا ہے۔" بوڑھی عورت کرب سے بولی۔

"میں چپ چاپ وہاں سے نکل کر صحن میں بنے کمرے میں شفٹ ہو گئی۔" بوڑھی عورت نے صحن میں بنے ایک بوسیدہ کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس کمرے میں رہنے لگی۔ وہاں پر کوئی بھی مجھ سے ملنے نہیں آتا تھا۔ میں تنہائی کا شکار ہو گئی۔ خالی کمرہ مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ بڑھاپے میں ویسے بھی تنہائی سے ڈر لگتا ہے۔ ایک دن میرا پوتا کھیلتے کھیلتے میرے کمرے تک آ گیا۔ میں نے اس سے ملنے کا پیغام بھجوایا کہ مجھ سے ملنے آؤ۔ تھوڑی دیر بعد میرا پوتا دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ "دادو! سب کہہ رہے ہیں ہم آئیں گے آپ سے ملنے۔۔۔" لیکن کئی دن گزر گئے کوئی بھی نہیں آیا۔ بوڑھی عورت نے اپنے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھے۔

"ایک دن میں خود ہمت کر کے اندر کی طرف گئی، لیکن صحن اور اندرونی گھر کے بیچ میں دیوار دیکھ کر حیران ہو گئی۔ اس دیوار میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ وہ دیوار یقیناً میرا راستہ روکنے کے لیے بنائی گئی تھی، تاکہ میں اندر نہ آ سکوں۔ ایک بوجھ میرے دل پر آ گرا۔ میں بوجھل دل کے ساتھ واپس پلٹ گئی۔ پھر ایک دن ایک چھوٹا سا کچن میرے کمرے کے سامنے بنوا کر ایک ملازمہ رکھ دی جو کھانا بنا کر مجھے دیتی، گویا انھوں نے مجھ سے ہر تعلق ختم کر لیا تھا۔ تھک ہار کر میں نے اپنی چھوٹی بیٹی کو فون کیا۔ میں نے سوچا بیٹیاں تو ماں ہوتی ہیں، وہ ضرور کچھ کرے گی۔ میں نے فون کر کے اسے ملنے کو کہا، پھر اس نے جو کہا سیدھا میرے دل پر لگا۔ اس نے کہا کہ "مما! آپ نے ساری زندگی دوسری اولادوں کو پیار کیا اور اب جب کوئی نہیں رہا تو مجھے بلا رہی ہیں۔" ایک شدید قسم کے درد کی لہر میرے سینے میں اُٹھی۔ وہ کوئی بہانہ بنا لیتی میں برداشت کر لیتی، لیکن میری بیٹی کی بات مجھ سے برداشت نہیں ہوئی۔ اس دن میں ساری رات روتی رہی۔ فائقہ میری سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ جب وہ پیدا ہوئی تھی تب وہ کبڑی تھی۔ اس کا تھوڑا کب نکلا ہوا تھا۔ میں نے دن رات محنت کر کے اس کی مالش کی اور دعائیں کی تو اس کا کب اندر چلا گیا۔ میں نے سوچا جب بڑی ہو گی تو لوگ اسے کبڑی کبڑی بولیں تو اس سے زیادہ مجھے تکلیف ہو گی۔ زندگی کا سب سے بڑا روگ، "لوگ کیا کہیں گے" میں نے اسے اس روگ سے بچا لیا، لیکن جو اس نے مجھے روگ دیا تھا، اس کی تکلیف صرف میں جانتی ہوں۔" بوڑھی عورت تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئی جیسے وہ بولنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی ہو۔

"اگلے دن میں بیمار ہو گئی اور پورے ایک مہینے تک بیمار رہی۔ میں نے سکینہ (ملازمہ) سے کہہ کر پیغام بھجوایا کہ اندر جا کر کہو میں بیمار ہوں۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی اور کہا کہ وہ لوگ کہہ رہے ہیں موسمی بخار ہے۔ میں چپ ہو گئی۔ مجھے پتا تھا کہ یہ موسمی بخار نہیں ہے۔ میری ہر بیماری کو وہم اور بہانہ قرار دے دیا جاتا۔ کوئی مرض میرے اندر شدّت سے بڑھ رہا تھا۔ ایک دن میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی بڑی بیٹی کو کال کی۔ اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ موسم خراب ہے، بچے بیمار ہو جائیں گے۔ فون بند ہو گیا تھا، لیکن مجھے لگا جیسے میرا دل بند ہو گیا ہے۔ منجھلی بیٹی سے میں نے بات ہی نہیں کی، وہ

دوسرے ملک میں رہتی ہے۔ جب ایک ہی شہر میں رہنے والی بیٹی ہی نہیں آئی، وہ تو پھر بھی سات سمندر پار تھی۔ بیٹے تو ہوتے ہی ایسے ہیں، بیٹیاں بھی۔۔۔؟ پھر میں نے ان سب کو بلانا چھوڑ دیا۔" بوڑھی عورت نے برگد کے درخت کی طرف دیکھا۔

"آخری دفعہ وہ مجھ سے عید پر ملنے آئے تھے۔ ایک دن سکینہ نے مجھے بتایا کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے۔ میں خوش ہو گئی، چلو اس بہانے عید پر مجھ سے ملنے تو آئیں گے۔" بوڑھی عورت کے چہرے پر دکھ کی لہر تھی۔ تھوڑی دیر بعد گویا ہوئی۔

"سکینہ نے بتایا ہے کہ آج آخری روزہ ہے، شام کو عید کا چاند نظر آئے گا، کل عید ہے۔ اب مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اتنے دنوں کے بعد میں اپنے بچوں سے ملوں گی۔" شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ صحن میں اب نیم تاریکی چھانے لگی تھی۔ اچانک گلی میں "چاند نظر آ گیا" کا شور اُٹھا۔ بوڑھی عورت خوشی سے اٹھی، لیکن ایک شدید درد کی لہر اس کے سینے میں اُٹھی اور خون کے ساتھ رگوں میں ہوتی ہوئی سارے جسم میں پھیل گئی۔ بوڑھی عورت نے دل پر ہاتھ رکھا اور آرام سے لیٹ گئی، پھر اس نے کلمہ پڑھا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ برگد کے درخت کی ساری شاخیں نیچے اس بوڑھی عورت کے اوپر جھک گئیں، جیسے وہ درخت رو رہا ہو۔ درخت پر بیٹھے پرندوں نے بھی الگ سے شور مچا کر بین کیا۔ وہ سارے نیچے اتر کر بوڑھی عورت کے گرد جمع ہو گئے۔ اس بوڑھی عورت کے چہرے پر خوشی اور سکون تھا۔ سکون اس لیے کہ اسے درد اور تنہائی سے نجات مل گئی تھی اور خوشی شاید اس لیے تھی کہ اگر کل عید نہیں بھی ہوتی تب بھی وہ سب ضرور آتے، آخر دنیا کی رسم بھی تو نبھانی تھی۔۔۔!

بقیہ

# تنہائی

علاج نہیں، لیکن تمہاری تنہائی میں جلد دور کر دوں گا۔" حدید نے وہیں بیٹھے بیٹھے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

"چاچی! آپ کے پاس اتنی جگہ ہے، آپ سبزیاں کیوں نہیں اگاتیں؟" رات کے کھانے پر جب تینوں بیٹھے تو حدید نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میرے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے؟" چاچی نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

"چاچا جی! آپ مجھے بیج لادیں، یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں، آخر کسان کا بیٹا ہوں۔" وہ اب سلیم سے مخاطب تھا۔

"برخوردار! صرف بیج ڈالنا کام نہیں ہوتا، پوری دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، تب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ تم تو کچھ دنوں میں اسکول چلے جاؤ گے، کون دیکھے گا انھیں؟" چاچی نے مداخلت کی۔

"آپ بے فکر رہیے چاچی جان! میں اسکول سے آ کر سب دیکھ لوں گا۔" حدید نے انھیں مسکراتے ہوئے تسلی دی۔

"رضیہ مجھے یاد آیا! بھائی صاحب نے کچھ عرصہ پہلے مجھے کچھ بیج دیے تھے، میں نے کچن میں رکھ دیے تھے۔ دیکھنا اگر پڑے ہیں تو اسے دے دینا۔" سلیم نے یاد آنے پر کہا۔

"وہ تو ویسے ہی کچن کے پہلے دراز میں رکھے ہیں، میں نے تو کھول کر بھی نہیں دیکھا تھا۔" یہ سنتے ہی حدید اسی وقت کچن کی طرف بھاگ گیا۔

واپس آیا تو ہاتھ میں نیلا لفافہ اور چہرے پر جاندار مسکراہٹ تھی۔

"بس میرا کام ہو گیا، یہ مختلف سبزیوں کے بیج ہی ہیں۔" وہ بیج ہاتھ میں لیے دیکھ رہا تھا۔

اگلے دن ہی حدید نے مٹی میں بہت مہارت سے کیاریاں بنائیں اور ان میں بیج لگا دیے۔

"اب تو تم خوش ہو نا! بہت جلد میں اس علاقے میں کچھ پودے بھی لگا دوں گا۔ تمہاری تنہائی بالکل دور ہو جائے گی۔" اس نے سر اٹھا کر درخت کو مخاطب کیا۔ درخت کی شاخوں میں حرکت پیدا ہوئی، جیسے وہ واقعی اس کی بات سن کر خوش ہوا ہو اور شکریہ ادا کر رہا ہو۔

"اب تم بھی میرے لیے دعا کرنا میرا دل لگ جائے۔" یک دم وہ افسردہ سا ہو گیا۔

"چل حدید! آج تیرا داخلہ کروا دیتے ہیں۔ پرانا ٹھیکا ختم ہو گیا، نئے کام پر پرسوں جانا ہے۔" سلیم کی بات سن کر حدید کھل اٹھا اور جلدی سے تیار ہو گیا۔ قریبی سرکاری اسکول میں اس کا داخلہ پہلی جماعت میں کروا دیا گیا اور کتابیں بھی اسے اسکول سے ہی مل گئیں۔ سلیم نے باقی ضروری اشیا اسے اسی دن مارکیٹ سے دلوا دیں۔ حدید کی خوشی دیدنی تھی۔ اگلے دن سے ہی وہ اسکول جانے لگا۔ اسے اسکول جاتے دس دن ہو گئے تھے۔ سلیم نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر وہ خوشی نہ تھی جو پہلے دن دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے قریب جا بیٹھا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ حدید جو اپنی کتاب پر جھکا ہوا تھا، نے سر اٹھا کر سلیم کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرا دیا۔

"میرے بچے کا دل لگ گیا؟" سلیم کے سوال کے جواب میں حدید خاموش ہی رہا۔

"کیا بات ہے، کیا پریشانی ہے، اپنے چاچے کو نہیں بتائے گا۔" سلیم نے تھوڑی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ حدید کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

"چاچا! لڑکے میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ میں اتنا بڑا ہو کر چھوٹے بچوں کی کلاس میں بیٹھتا ہوں۔ وہ میرے دوست بھی نہیں بننا چاہتے۔" حدید رو دیا۔

"لو! بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" سلیم نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ ہنوز سسکیاں بھر رہا تھا۔

"تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ پریشان بیٹھنے سے بھی بھلا کبھی کوئی مسئلہ حل ہوا کرتا ہے۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اس کا حل میرے پاس موجود ہے۔"

"واقعی؟" حدید نے سر اٹھا کر سلیم کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"بالکل! بس تمہیں اب دل لگا کر پڑھنا ہے۔ اسکول میں بھی بھرپور توجہ سے استاد کی بات سننی اور سمجھنی ہے، جو اسکول سے پڑھ کر آؤ، گھر آ کر اپنی چاچی کے سامنے دہرانا ہے۔ رات میں بھی تمہارا امتحان لیا کروں گا۔ تم ماشاءاللہ! ذہین بچے ہو، تمہیں پورا سال ایک جماعت میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ تم سال میں دو دو جماعتیں پاس کرو گے تو جلد ہی اپنی عمر کے بچوں میں بیٹھنے لگو گے۔" حدید بہت توجہ سے سلیم کی بات سن رہا تھا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔

اس نے کتابوں سے دوستی کر لی اور اپنی منزل کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ کتابوں نے حدید کی تنہائی بھی دور کر ڈالی تھی۔ ان کتابوں کے ساتھ ہوتے ہوئے اسے بالکل بھی کسی اور کا خیال نہیں آتا تھا۔ کبھی اپنے والدین اور دوستوں کے لیے اداس ہو جاتا تو یہی کتابیں اس کا دھیان بٹا دیا کرتی تھیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے "کتابیں تنہائی کی بہترین ساتھی ہیں۔"

# نورِ ہدایت

آخری حصہ

نادیہ عنبر لودھی

''میں نے کہا تھا مجھے مت لے جاؤ، تم نہیں مانی۔'' زخمی عورت بڑبڑائی۔ ''تو اپنے خدا کو پکارو، تمہاری مدد کرے۔'' سلویا نے غصے سے کہا۔ عورت بے چاری بس ایک نظر دیکھ کر رہ گئی، منہ سے کچھ نہیں بولی۔ سلویا باہر نکلی اور سوچنے لگی کیا کروں اس کا! اپارٹمنٹ میں لے جاؤں تو علاج کیسے کروں؟ برطانیہ یہ جا نہیں سکتی، اس کے پاس ویزہ اور پاسپورٹ نہیں ہے۔۔۔ اتنے میں ایک ٹیکسی ان کے قریب آکر رُکی۔ ڈرائیور نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا: ''اس کا علاج ایک اسپتال میں ہو سکتا ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''ہمیں لے چلو!'' تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ایک عمارت کے سامنے رُکی۔ اس عمارت کے باہر اولڈ ہاؤس کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتریں اور اندر داخل ہو گئیں۔ ریسپشن پر کھڑی نرس نے زخمی عورت کو اپنے ساتھ ایک کمرے میں آنے کا اشارہ کیا اور اس سے کہا: ''بس آپ کا کام ختم آپ جائیں۔'' وہ باہر نکلی ٹیکسی والا جا چکا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اپارٹمنٹ چلی آئی۔ سوچوں نے اسے گھیرا ہوا تھا، اسے اپنی والدہ کی باتیں یاد آنے لگی، ہم یہودی اس دنیا کی سب سے برتر قوم ہیں، سب انسان ہم سے کم تر ہیں، ہماری سب سے اعلیٰ نسل ہے، ہم خدا کے خاص ہیں، دنیا کی حکومت پر ہمارا حق ہے، ہم جیسا کوئی نہیں ہے۔۔۔

''کیا اعلیٰ لوگ ایسے ہوتے ہیں؟'' اس نے سوچا۔ تین چار دن وہ کسلمندی سے پڑی رہی، اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا کہ جب کیمرہ اور فون لے جانے کی اجازت نہیں ہے تو رپورٹنگ کیا خاک ہو گی۔ اس نے اپنی والدہ کو اپنے ارادے سے باخبر کیا، اس کی والدہ نے اسے دیوار گریہ پر جانے کو کہا جو دعائیں اس کی والدہ نے اسے دی تھیں، وہ دعائیں بھی وہاں رکھنے کو کہا۔ اگلے دن اس نے ناشتہ کر کے حارۃالنصاریٰ کے لیے ٹیکسی لی، جہاں دیوار گریہ موجود ہے، پھر وہ عورتوں کے مخصوص حصے میں پہنچی۔ کوتل (دیوار گریہ کا یہودی نام) اس کے سامنے تھی۔ کوتل کے بڑے بڑے پتھروں کے درمیان فاصلہ ہے، جس کی وجہ سے درزیں سی بن گئی ہیں، انہی درزوں میں سے ایک میں (سلویا) نے والدہ کی دعاؤں کی عرضی رکھ دی۔ عورتیں رو رہی تھیں، وہ خالی ذہن کھڑی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اس نے خود کو گھسیٹا اور حارۃالنصاریٰ کی پُر پیچ گلیوں میں سے ہوتی ہوئی وہ بازار تک جا پہنچی۔ یہاں سے اسے ٹیکسی مل گئی اور وہ اپارٹمنٹ پہنچ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ایلس ہے، جو ونڈر لینڈ میں گم ہو گئی ہے، لیکن اس کے سامنے جو ونڈر لینڈ تھا، اس کا نظارہ مایوس کن تھا، کیوں کہ وہ افسردہ تھی۔ اس نے مصمّم ارادہ کیا کہ دوبارہ کبھی یروشلم نہیں آئے گی۔ اس نے صبح اپنی ٹکٹ کروانے کے لیے فون کیا تو علم ہوا کہ یمنی فوج کے میزائل حملے کے بعد تل ابیب کا بن گوریان ائیرپورٹ بند کیا جا چکا ہے۔ اسے اب ائیرپورٹ کے کھلنے کا انتظار کرنا تھا، وہ دو ہفتے کے لیے آئی تھی اور اس کی ریٹرن ٹکٹ ایک ہفتے بعد کی تھی۔ اس نے والدہ کو کوتل جانے کا بتایا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ تین چار دن اپارٹمنٹ میں گزار کے وہ بور ہو چکی تھی۔ اس نے سوچا آخری دفعہ غزہ کا چکر لگالوں، اس کی فلائٹ میں تین دن باقی تھے، کل جاؤں گی۔۔۔ صبح اُٹھ کر اس نے جتنا کھانے کا سامان تھا، بیگ میں بھرا اور غزہ کی طرف چل پڑی۔ چیک پوسٹ پر اپنی شناخت کروا کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ آج اسے میدان میں چند بچے نظر آئے، اس نے کھانے کی اشیا ان میں بانٹ دیں اور بنچ پر بیٹھ کر انھیں دیکھنے لگی۔ پیچھے سے ایک آواز سنائی دی ''میں تمہارا ہی منتظر تھا، آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اُٹھ کر بزرگ کے پیچھے چل دی۔ تہ خانے میں پہنچ کر بزرگ نے اس سے کہا: ''میں نے غزہ پر یہودیوں کے حملے اور مظالم سے متعلق معلومات اور تصاویر اس ''یو۔ ایس۔ بی'' میں محفوظ کی ہیں، تم دنیا تک یہ پہنچا سکتی ہو، لیکن بہت ہوشیاری سے۔۔۔ اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو تم جان سے جاؤ گی اور یہ تحفہ تمہارے لیے ہے خاص! اسے چھپ کر پڑھنا اور چھپا کر رکھنا۔'' اس نے دونوں چیزیں لے لی۔ ''اس اعتبار کی وجہ جان سکتی ہوں؟''

''اس کی وجہ تمہارے اندر موجود انسانیت ہے۔'' ''میں بھی تو یہودی ہوں۔'' سلویا نے کہا۔ ''ہمیشہ شر سے خیر نکلتی ہے، تمہارے پیشانی پر جو نور روشن ہے، ایک دن تمہارے دل میں اتر جائے گا۔'' سلویا کو بزرگ کی بات سمجھ نہیں آئی، بس اتنا بولی: ''میں دوبارہ یہاں نہیں آؤں گی۔'' ''یہاں بہت مایوسی ہے۔'' بزرگ نے جواباً کہا: ''اللہ کے بندے اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہوتے، یہ کام بہت احتیاط سے کرنا، بہت احتیاط سے! اب جاؤ اللہ تمہارا نگہبان ہو۔'' سلویا اُٹھی اور باہر نکل آئی۔ اپارٹمنٹ واپس پہنچ کر اس نے یو۔ ایس۔ بی لیپ ٹاپ میں لگا کر دیکھنے کا سوچا، پھر اسے بزرگ کی بات یاد آئی اور وہ رک گئی۔ اس نے بہت احتیاط سے یو۔ ایس۔ بی سنبھال لی۔

دوسرا تحفہ قرآنِ پاک تھا عبرانی ترجمہ کے ساتھ۔ اس نے قرآن کھولا پڑھا تو اسے ناقابلِ بیان سکون ملا۔ ائیرپورٹ کھل گیا اور وہ مانچسٹر واپس پہنچ گئی۔ اس نے بہت غور و فکر کے بعد ایک نیا لیپ ٹاپ خریدا۔ شہر کے دور افتادہ علاقے میں آکر اس نے یو۔ ایس۔ بی لیپ ٹاپ میں لگائی تو لوکیشن کی وجہ سے اس کا آئی پی ایڈریس بدل چکا تھا۔ بزرگ کی دی ہوئی معلومات اور تصاویر دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔ اس کی روح کانپ گئی۔ اتنا ظلم، ایسی بربریت۔۔۔ آخر میں اس کے لیے ایک پیغام بھی تھا۔ بزرگ کی ہدایات کے مطابق اس نے سوشل میڈیا اکاؤنٹس بنائے فیس بک، انسٹاگرام، یوٹیوب، ٹوئٹر، ٹک ٹاک پر۔۔۔ پھر اس نے تصاویر کی مدد سے ویڈیوز بنا کر اپ لوڈ کی اور مظالم پر مبنی اعداد و شواہد کو ٹیکس کے ذریعے سوشل میڈیا صارفین تک پہنچایا۔ یہ کام اس نے دو دن میں مکمل کیا۔ اس نے بزرگ کا ویڈیو پیغام آڈیو کی شکل میں ریکارڈ کر لیا اور بار بار سُنا۔

# رسوم و رواج اور ہمارا زوال

سیما مدثر

فرسٹ ایئر میں سر سیّد احمد خان کا ایک سبق پڑھا تھا: "رسم و رواج کی پابندی" اُس وقت شاید میری سمجھ میں اس طرح نہیں آیا تھا، لیکن آج اپنی زندگی کے تجربات نے مجھے یہ احساس دلایا کہ واقعی فضول رسم و رواج انسان کے وقت اور وسائل کا سب سے بڑا ضیاع ہیں۔ ان رسومات کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اکثر اوقات یہ کسی اور تہذیب یا مذہب سے لی گئی چیزیں ہیں جو ہم نے بنا سوچے سمجھے اپنالی ہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو اسی کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں؟" (البقرہ: 170)

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بھی اپنے زمانے میں باطل رسموں کو چھوڑتے ہوئے اعلان کیا کہ: "میں ان سے بیزار ہوں، جنہیں تم پوجتے ہو، سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا۔" (الزخرف: 26-27)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یہی تعلیم ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ دینِ اسلام میں صرف وہی چیزیں عبادت اور عمل کا حصہ ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔

آج پاکستان میں ہم طرح طرح کی آفات اور مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ کبھی سیلاب آتے ہیں، کبھی مہنگائی بڑھتی ہے، کبھی معیشت بیٹھ جاتی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب صرف حکومت کی وجہ سے ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے حصے کا ظالم ہے۔ ہم وقت اور پیسے کا ضیاع کرتے ہیں، چھوٹی چھوٹی بددیانتیاں کرتے ہیں اور پھر توقع رکھتے ہیں کہ ملک کی سطح پر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ تبدیلی نیچے سے اوپر آتی ہے۔ اگر ہم خود اپنے رویّوں کو درست نہیں کریں گے تو اوپر بیٹھے حکمران کیسے درست ہو جائیں گے؟ اللہ کی خوشنودی بھی تبھی حاصل ہو گی جب ہم ان غیر ضروری رسوم اور رواج چھوڑ کر قرآن و سنت کی اصل تعلیمات کو اپنائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی سوچ تبدیل کریں، تعلیم اور اخلاق پر توجہ دیں اور اپنی زندگی کو فضول رسوم سے آزاد کریں۔

آج کی پڑھی لکھی نسل کو یہ سمجھنا ہو گا کہ "جو ہمارے بڑوں نے کیا وہ لازمی طور پر صحیح نہیں تھا۔" ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیے کہ وہ ہمیں حق اور باطل کی پہچان عطا فرمائے، تاکہ ہم وہ رسمیں چھوڑ سکیں جو ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ جب ہم اسلام کی اصل تعلیمات کے اندر رہ کر اپنی زندگی گزاریں گے تو ہماری دنیا بھی سنورے گی اور آخرت بھی۔۔۔ ان شاء اللہ!

---

بزرگ نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی شناخت کبھی کسی پر ظاہر نہ کرے، "وہ تو میں نے نہیں کی ہے۔ فرضی نام سے اکاونٹ بنایا ہے یو۔ ایس۔ بی ضائع کر دی ہے۔ لیپ ٹاپ کی میموری ڈیلیٹ کر کے لیپ ٹاپ ضائع کر دیا ہے، لیکن پھر ان کی اگلی بات کا کیا مطلب ہے؟" اس نے سوچا۔ "اعتبار مت کرنا، راز کسی کے سامنے نہ کھولنا۔" وہ سوچتی رہی، لیکن سمجھ نہ سکی۔ اس کے اَپ لوڈ کیے ہوئے مواد کو بہت پذیرائی ملی اور اس کی آدھی سے زیادہ ویڈیوز وائرل ہو گئیں۔ ظالم یہودیوں کا ظلم دنیا کے سامنے آ رہا تھا۔ اس کے ٹیکس مواد پر احتجاج اور مظاہروں میں بینر زبنے۔ ایک دن اس کی والدہ کی نظر سے چند وائرل ویڈیوز گزری تو وہ بہت برہم ہوئی۔ سلویا بتانے لگی تھی کہ یہ اس نے کیا ہے، پھر اسے بزرگ کی بات یاد آ گئی "اعتبار مت کرنا، راز کسی کے سامنے نہ کھولنا۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی والدہ یہودیوں کے گُن گانے لگی اور ویڈیو بنانے والے کو صلواتیں سنانے لگی۔ سلویا اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شکر ہے نہیں بتایا ورنہ آج خیر نہیں تھی۔ اس نے دل میں شکر ادا کیا۔ جرنلزم کو اس نے پروفیشن بنانے کا ارادہ ترک کیا اور ایک اسٹور پر ملازمت کر لی۔ فارغ وقت میں وہ مطالعہ قرآن کرتی رہی۔ اس کے اندر کی دنیا بدلتی گئی اور ایک دن اس نے اسلامک سینٹر میں جا کر اسلام قبول کر لیا۔ یہ راز اس نے سب سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ظاہری حلیے اور برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں کی کہ کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے کہ ایک دن والدہ اس کے اسٹور آ گئی، وہ اندر نماز پڑھ رہی تھی، اسے نماز پڑھتا دیکھ کر اس کی والدہ غصے سے پاگل ہو گئی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے گولی سے اڑا دیں۔ جیسے تیسے والدہ گھر پہنچی، اس کے والد کو بھی خبر ہو گئی تو دونوں نے اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ سڑک پر آ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اسے بزرگ کے الفاظ یاد آئے "ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ وہ آزمائش دے کر شہادت کی موت عطا کر کے ہمارے درجات بلند کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ خیر اور شر کی جنگ میں کون کس کے ساتھ ہے۔" میرا رب بھی میرے ساتھ ہے، اس نے سوچا اور نئی ہمت سے چل پڑی۔ اس راستے پر جو خیر کا راستہ ہے۔۔۔ آج اس نے نورِ ہدایت کو پا لیا تھا اور نور اس کے دل میں اتر گیا تھا!!!

# چمکتی آنکھیں

مہابہ غازی

کمرے میں خاموشی تھی۔ ثوبیہ صوفے پر بیٹھی موبائل اسکرول کر رہی تھی، انگلیاں مصروف تھیں، نظریں روشن اسکرین پر جمی ہوئی۔ کبھی کسی ویڈیو پہ رک جاتیں، کبھی کسی پوسٹ پہ دل کا نشان چھوڑ دیتیں۔ سامنے بیٹھی ننھی حمنہ اپنی کاپی میں رنگ بھر رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی ماں کی طرف دیکھتی، پھر خاموشی سے اپنے رنگوں میں گم ہو جاتی۔ اس کی نظریں وقتاً فوقتاً اوپر اٹھتیں، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر شاید الفاظ واپس نکل جاتی۔

"ماما دیکھیں، میں نے سورج بنایا ہے" حمنہ نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد خوشی سے پکارا۔

"ہوں، اچھا۔۔۔ بہت پیارا" ثوبیہ کی نگاہیں اب بھی موبائل پر تھیں۔

حمنہ کے چہرے پہ ایک پل کو چمک آئی، پھر بجھ گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ پکارا:

"ماما! یہ بادل دیکھیں، اسی لیے میں نے نیلا رنگ نہیں لگایا۔"

"ہوں، ٹھیک ہے گڑیا۔۔۔" ثوبیہ نے پھر وہی بے دھیانی سے جواب دیا۔

حمنہ نے ماں کو متوجہ کرنا چاہا اور ثوبیہ نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا:

"حمنہ بیٹا! اپنا کام کرو، مجھے تنگ نہ کرو۔"

کمرے کی خاموشی میں حمنہ کے لفظ دھیرے دھیرے کم ہوتے گئے۔ اب وہ جب بھی کچھ بناتی، ماں سے رائے نہیں لیتی تھی۔ ہر صفحے پر سورج چھوٹا ہوتا جا رہا تھا، اور ماں کا چہرہ موبائل کے ساتھ جڑا ہوا بنتا جا رہا تھا۔ اک روز جب شام ڈھلی تو ثوبیہ نے موبائل میز پر رکھا۔

"چلو حمنہ! اب کھانا کھاتے ہیں" اس نے بیٹی کو پکارا تھا، مگر حمنہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ خاموشی سے کمرے کے کونے میں بیٹھی اپنی گڑیا کے بال سنوار رہی تھی۔

"حمنہ بیٹا! ماما کچھ بول رہی ہیں، سنا آپ نے؟" ثوبیہ نے پھر پکارا۔

"ہوں۔۔۔ کھا لوں گی۔" اس کی آواز میں بے دھیانی تھی۔

ثوبیہ نے چونک کر بیٹی کو دیکھا، "کیا ہوا میری جان! ناراض ہو؟" ثوبیہ نے اسے پچکارا۔

"نہیں ماما! بس کھیل رہی ہوں۔" حمنہ نے بے زاری سے کہا۔

"پھر چلو، ساتھ کھائیں۔"

"آپ کھا لیں، آپ کو تو فون آ جائے گا ابھی کہیں سے کسی کا!"

یہ سنتے ہی ثوبیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ رات کو جب حمنہ سو چکی تھی، ثوبیہ نے بیٹی کی کاپی اٹھا لی۔ ہر صفحے پر کچھ نیا نقش تھا۔ ایک تصویر میں ماں موبائل کے ساتھ بیٹھی تھی، بیٹی دور زمین پر بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ ایک اور تصویر میں سورج کا آدھا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ نیچے چھوٹے حروف میں لکھا تھا:

"ماما کی روشنی موبائل میں رہتی ہے۔"

ثوبیہ کے ہاتھ لرز گئے۔ اس کے اندر جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔ وہ دیر تک بیٹی کے چہرے کو دیکھتی رہی ـــــ وہی چہرہ جو دن بھر اس کی توجہ کو ترستا رہا، مگر اس نے نوٹیفکیشنز کے شور میں سننا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اگلی صبح بہت جلد ہی ثوبیہ نے حمنہ کو جگا دیا تھا۔ وہ آنکھیں ملتی بمشکل جاگی تھی۔ ثوبیہ اسے باہر لائی ـــــ سورج طلوع ہونے کا منظر تھا۔ حمنہ یہ نظارہ اور ماں کی ایسی چاہت دیکھ کر حیران رہ گئی، اور سوالیہ نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھا۔

"آج اتنی صبح کیوں جگا دیا ماما!"

"بس آج تمہارے ساتھ سورج دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"واہ ماما! یہ سب بہت پیارا لگ رہا ہے"

حمنہ کی نیند اڑ گئی تھی، وہ خوشی سے تالی بجانے لگی۔

"ماما! آپ کا موبائل کہاں ہے؟ کیا آپ اس کی تصویر نہیں لیں گی؟" حمنہ کو بر وقت یاد آیا تھا۔

"آج چھٹی ہے اُس کی" ثوبیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چھٹی؟" حمنہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، وہ بہت تھک گیا تھا نا! اب تھوڑا آرام کرے اور آج ہم کھیلیں گے ڈھیر سارا۔" ثوبیہ نے ہنس کر کہا۔

"ہم کیا واقعی کھیلیں گے؟" حمنہ کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

ثوبیہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا، ماتھے پہ بوسہ دے کر یقین دہانی کرائی۔ بیٹی کی معصوم آنکھوں سے کچھ بھی چھپا نہ رہ سکا۔ ماں کی محبت اور بیٹی کی خوشی ـــــ وہ بہت پیارے لمحات تھے۔ اور پھر اس دن وہ کہانیوں کا کردار بن کر کھیلیں، کچن میں آٹا گوندھا، کپڑوں کی گڑیا بنائی۔ حمنہ کے چہرے پر وہی روشنی لوٹ آئی جو رنگوں کے ساتھ کہیں گم ہو گئی تھی۔ اور پھر دن ڈھلنے پر جب ثوبیہ نے موبائل اٹھایا، اس کی نظریں صرف اسکرین پر نہیں، بیٹی پر بھی تھیں۔

رات کو سوتے وقت حمنہ نے ماں کے سینے سے لگ کر کہا:

"ماما، آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔"

"کیوں؟" ثوبیہ نے تجسّس سے پوچھا۔

"کیونکہ آج آپ میری کہانی میں تھیں۔" حمنہ نے معصومیت سے جواب دیا تھا۔

یہ سن کر ثوبیہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اس نے بیٹی کے بال سہلاتے ہوئے دل میں کہا:

"میری پیاری! میں اسکرین کی روشنی میں کھو کر تمہاری چمکتی آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو گئی تھی۔

میرا وعدہ ہے اب تمہاری آنکھوں کو کبھی اس خوشی سے محروم نہیں کروں گی جو تم نے آج محسوس کی۔"

ثوبیہ نے عہد کرتے ہوئے دل میں ایک سکون اترتے محسوس کیا۔ گویا کوئی بہت بڑا بوجھ دل سے ہٹ گیا ہو۔

وہ اب مطمئن تھی، خوش تھی۔ کہ معصوم پھولوں کی والدین سے چاہت اور والدین کی طرف سے ملنے والی توجہ سے پھولوں کو کھلتے دیکھ کر جی اٹھنا ہی اصل زندگی ہے۔

عالمی ادارہ
بیت السلام
ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+
یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

# چور دروازہ

قانتہ رابعہ

منعم عرف منّا کتابی کیڑا تھا اور کیوں نہ ہوتا؟ اس کے ابو بہت اچھے شاعر تھے۔ اس کی امی بہت عمدہ ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ ہر ماہ کے گھریلو سودا سلف کی خریداری میں اپنی پسندیدہ کتب کے لیے رقم مختص کرتی تھیں۔ خاندان میں کسی کی شادی ہو یا کسی کے گھر میں قدرت نے ننّھا منّا مہمان بھیجا ہو، کوئی ملنے کے لیے آئے یا امی کسی سے ملنے جائیں، وہ نقد رقم کے سلامی والے لفافے یا تحفے تحائف کے ساتھ کتاب ضرور دیتی تھیں۔

گھر کے علاوہ منّے کی ننھیال ددھیال میں بھی کئی معروف ڈائجسٹ اور رسالے آتے۔ دوسری خواتین فون پر لمبی لمبی باتیں کرتی تو موضوع کپڑے جوتے ہوتا، امی دوسروں سے فون پر رابطہ کرتیں تو موضوع کتابیں ہوتا۔ ان کو گھر میں بیٹھے سب معلوم ہوتا، کس کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے؟ بک فیئر کہاں اور کس مہینے کی کن تاریخوں میں لگے گا؟ ایسے میں منعم عرف منّا کے ہاتھ میں اگر کھلونوں کی بجائے کتاب ہو تو کوئی حیرانی والی بات نہیں۔۔۔

ہر ماہ جیسے ابو کے لیے اچھی شاعری پر مشتمل اخبار رسالے آتے، امی اور بہنوں کے لیے ان کے پسندیدہ ڈائجسٹ اسی طرح منّے کے لیے بچوں کے معروف رسالے آتے۔

منّا بے تابی سے رسالے کھولتا، ہفت روزہ ہوتا تو کوئی ماہانہ لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ رسالہ آئے اور منّے کی نظروں سے اوجھل ہو۔

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے۔ بچوں کا مشہور رسالہ ”بچوں کا اڑن کھٹولا“ ڈاک سے موصول ہوا۔

بے تابی سے منّے میاں نے اس کی پیکنگ والا کاغذ اتارا، سب سے پہلے وہ رسالے سلسلہ وار ناول کی قسط پڑھا کرتا تھا، اس مرتبہ بھی اس نے ناول کی قسط پڑھی پھر اس نے خطوط کے جواب والا کالم پڑھا بہت مزے مزے کے خطوط پڑھ کر وہ ہمیشہ بہت خوش ہوتا تھا، پھر اس نے جناب ثوبان طاہر کی کہانی پڑھی۔

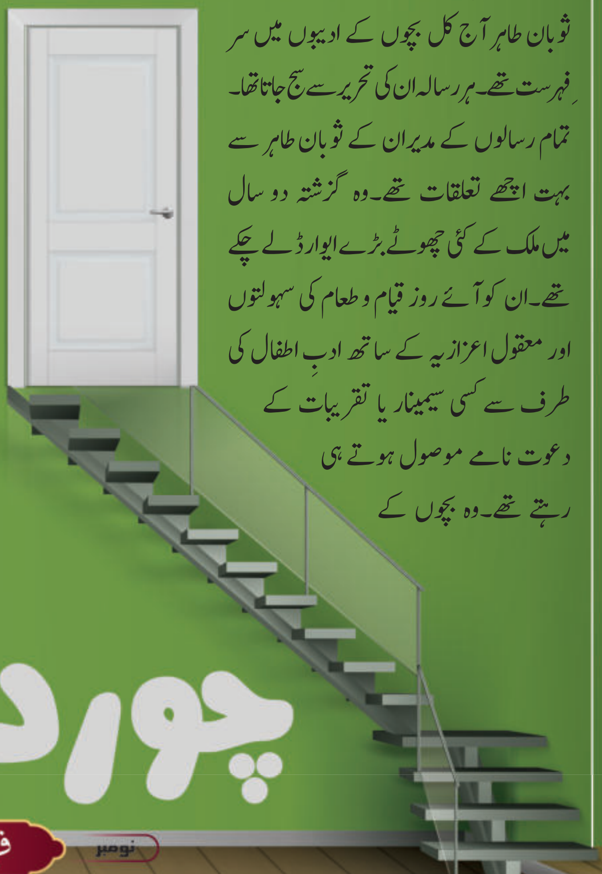

ثوبان طاہر آج کل بچوں کے ادیبوں میں سرِ فہرست تھے۔ ہر رسالہ ان کی تحریر سے سج جاتا تھا۔ تمام رسالوں کے مدیران کے ثوبان طاہر سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ گزشتہ دو سال میں ملک کے کئی چھوٹے بڑے ایوارڈ لے چکے تھے۔ ان کو آئے روز قیام و طعام کی سہولتوں اور معقول اعزازیہ کے ساتھ ادبِ اطفال کی طرف سے کسی سیمینار یا تقریبات کے دعوت نامے موصول ہوتے ہی رہتے تھے۔ وہ بچوں کے من پسند مصنف تھے۔ اب منّے میاں نے بھی ان کی کہانی پر نظر دوڑائی: کہانی کا عنوان تھا ”کوئلے کی انگوٹھی“

اس نے کہانی شروع کی۔ کہانی اتنی دل چسپ تھی کہ اس نے مکمل پڑھ کر ہی رسالہ ہاتھ سے رکھا، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ منّے میاں کو وہم ہو گیا کہ یہ کہانی اس نے کہیں پڑھی ہے۔

کہاں پڑھی ہے؟ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھک گیا تھا۔

آخر کہانی اس نے کہیں نہیں پڑھی، جتنے رسالے اس کے ہاں آتے تھے، اس نے پچھلے کئی مہینوں کے سارے کھنگال لیے، لیکن کوئی بھی کہانی دیکھ کر اسے یہ محسوس نہ ہوا کہ یہ وہی کہانی ہے!

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ثوبان طاہر نے ایک کہانی دوسرے رسالوں میں بھیجی ہو؟

یا ممکن ہے کسی نے ان کی کہانی سے ملتی جلتی کہانی لکھی ہو!

لیکن۔۔اُف۔۔اس نے گھومتا سر قابو کیا۔

کہانی تو اب شائع ہوئی ہے، اس سے ملتی جلتی کیسے ممکن ہے؟

یا ممکن ہے ثوبان طاہر نے کسی کی کہانی سے ملتی جلتی لکھی ہو؟

اپنی اس فضول سوچ پر وہ خود ہی شرمندہ ہو گیا۔

امی سے ذکر کیا تو انھوں نے منّے میاں کو یہ کہہ کر مطمئن کروایا کہ ”ہو سکتا ہے کسی اور قلمکار کی ملتی جلتی کہانی ہو، بعض اوقات ایک ہی مرکزی خیال بیک وقت کئی لوگوں کے دل میں آ سکتا ہے، اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔“ دو چار دن کے بعد اتفاقیہ طور پر اسے غیر معروف سا ایک پرانا شمارہ ملا۔

عادت سے مجبور ہو کر اس نے ورق گردانی شروع کی، پڑھتے ہوئے پھر اس کے دماغ میں خلل پیدا ہوا کہ یہ کہانی کہیں پڑھی ہے، لیکن اس میں کچھ تفصیل زیادہ ہے۔۔۔ پھر دو چار دن اسی تجسّس اور پریشانی میں کہ کہانی کہاں پڑھی۔۔۔

اتفاق سے یہ کہانی بھی ثوبان طاہر کی ہی تھی۔ یہ کیا بات ہے؟ ان کی کہانی نئی ہوتی ہے اور پہلے پڑھی جانے والی کس کی ہوتی ہے؟ اس کا دماغ تھک چکا تھا۔ کئی ماہ اسی طرح گزرے کہ کہانی پڑھتے ہوئے بس یہی خیال آتا کہ کہانی کہیں پہلے بھی پڑھی ہے، لیکن کہاں؟ یہ جواب نہ ملتا۔

کئی ماہ ایسے ہی ہوتا رہا، اس نے سراغ لگانے یا اپنا وہم دور کرنے کا فیصلہ کیا اور اتوار کی چھٹی اس شک کو دور کرنے کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ پرانے رسالے پہلے بھی پڑھے تھے۔ اب اس نے پہلے صفحے سے آخری صفحے تک تمام رسالے پڑھنا شروع کیے۔

لطیفے، پہیلیاں، اقوالِ زرّیں تک اس نے چاٹ لیے، ایک سال کے رسالے مکمل ہوئے تو اس نے گزشتہ سال کے شمارے دیکھنا شروع کیے۔

اُسے حیرانی اس بات کی تھی کہ سینکڑوں قارئین میں سے صرف وہی ایک ہے، جسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ثوبان طاہر کی تحریر پہلے بھی پڑھی ہے۔ کسی اور نے یہ شکایت کیوں نہیں کی۔۔۔؟

کہانیاں ختم ہوئیں۔ لطیفے پہیلیاں رنگ بھرنے کے صفحات دیکھتے ہوئے ایک دَم اس کی نظر اس صفحے پر پڑی، جہاں ننھے منّے چھوٹے بچوں کی بالکل شروع میں لکھی جانے والی تحریر شائع ہوتی تھیں۔

اس سلسلے کا نام تھا "پہلی کاوش"

پہلی تحریر پڑھتے ہی چونکا، تحریر کے اوپر نام لکھا تھا

محمد ارتضٰی شہزاد۔۔۔عمر سات سال

تحریر پڑھنے کے دوران ہی اسے یاد آیا کہ ثوبان طاہر کی کہانی میں بھی یہی موضوع تھا، بس فرق یہ ہے کہ یہ بالکل بچگانہ اور مختصر سی تحریر ہے، جبکہ ثوبان طاہر کی تحریر خوب چٹخارے دار انداز میں ہوتی ہے۔

اس نے اس سے پچھلے ماہ کا رسالہ نکالا۔

اس میں بھی "پہلی کاوش" سلسلے کی تین چھوٹی چھوٹی کہانیوں کو پڑھنے کے بعد اس کے منہ سے بے اختیار چیخ برآمد ہوئی۔

"یہ کیا جناب ! ثوبان طاہر کی کہانیاں جو اسی ماہ تین رسالوں میں شائع ہوئی ہیں، مرکزی خیال ان تین کہانیوں کا ہے۔" جلدی جلدی اس نے پچھلے سال اور اس سے پچھلے سال کے شمارے کھنگالے، ہوں ں ں! اس نے لمبی گہری سانس کو سینے سے آزاد کیا۔

بچوں کے اس غیر معروف رسالے کے اس صفحے کی شاید ہی کوئی کہانی ایسی ہو جس پر ثوبان طاہر نے لمبی کہانی نہ لکھی ہو !

معما تو حل ہو چکا تھا، لیکن وجہ پتا نہیں چل سکی تھی۔

اب وجہ پتا چلانا باقی تھا۔۔۔

ثوبان طاہر صاحب اکثر اس کے شہر میں آتے رہتے تھے۔ اس نے خط کی صورت میں اپنے خیالات قلم بند کیے اور متعلقہ رسالے کے مدیر کے نام خط ارسال کر دیا۔

اب اسے اس وقت کا انتظار تھا، جب اسے ثوبان طاہر کی طرف سے یا مدیر کی طرف سے جواب ملے گا۔

ٹھیک گیارہ دنوں کے بعد منّے میاں کو ایک انجانے نمبر سے فون آیا۔

"میں ثوبان طاہر عرض کر رہا ہوں اور آپ سے ملاقات کا پروگرام بن رہا ہے، آپ سے کہاں ملاقات ممکن ہے؟؟"

دو دن کے بعد وہ دونوں ایک معروف تعلیمی ادارے میں آمنے سامنے تھے، جہاں ثوبان طاہر صاحب مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے۔ منّے میاں نے اپنا نام بتایا تو وہ چونکے۔

جیسے ان کے نام سے منّے میاں اچھی طرح واقف تھے۔ اس رسالے کے قارئین کے لیے منّے میاں کا نام بھی اجنبی نہ تھا۔

کیوں کہ ہر ماہ منّے میاں باقاعدہ سے کہانیوں پر تبصرہ بھیجا کرتے تھے، جو بہت اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔ دونوں انتظار گاہ کی نشستوں پر بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، پھر ثوبان طاہر نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جی منّے میاں ! میں آپ کی رائے باقاعدہ ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ آپ کا قلم ماشاءاللہ ابھی سے رواں ہے۔ آپ کے اندر لکھنے کی خداداد صلاحیت موجود ہے۔ ان شاءاللہ آئندہ بہت جلد آپ بھی لکھاریوں کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔"

"جی" کہہ کر منّے میاں چپ ہو گئے۔

ثوبان طاہر کی بے چینی نظر آ رہی تھی، پھر انھوں نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"منیر غزنوی صاحب (مدیر) نے آپ کے خط کا عکس مجھے واٹس ایپ کیا تھا، میں نے بھی پڑھا ہے"

وہ چند سیکنڈ خاموشی کے بعد بولے: بات یہ ہے منعم میاں ! کہ میں غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا، کیوں کہ بچوں کو کہانیوں میں سچ بولنے کا ہی تو کہتا رہا ہوں اور اگر جھوٹ سے کام نکال بھی لوں تو کب تک۔۔۔؟ آپ نے تو سنا ہی ہو گا "جھوٹ کے پاؤں کہاں !"

بات یہ ہے کہ میری تعلیم صرف میٹرک تک کی ہے۔ مالی حالات اتنے خراب رہے کہ دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے ہی ملتی تھی، چودہ پندرہ سال کی عمر میں پہلی کہانی کی اشاعت نے حوصلہ دیا اور میں نے پاکستان کے معروف غیر معروف تمام رسالوں میں لکھنا شروع کر دیا۔

چوں کہ میرے گھریلو حالات سے سب مدیران واقف تھے، اس لیے انھوں نے کہانی کا برائے نام ہی سہی اعزازیہ مقرر کر دیا۔

یوں مہینے میں دس سے پندرہ رسالوں میں مسلسل ہر ماہ لکھنے سے ہمارے چولھے پر بھی دو وقت ہنڈیا پکنے لگی۔

اب آپ مجھے بتائیں، ہر ماہ پندرہ سولہ رسالوں میں لکھنے والا ہر ماہ نئے سے نئے موضوعات کہاں سے لا سکتا ہے۔ میں نے یہی سوچا کہ بچوں کے نسبتاً غیر معروف رسالوں میں چھوٹے بچوں کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں والے سلسلے سے فائدہ اٹھایا جائے، ویسے تو اخبارات میں بھی بچوں کی اونگی بونگی تحریریں شائع ہوتی ہیں، لیکن سامنے میز پر دھرے اخبارات پر ہر کسی کی نظر پڑ سکتی ہے۔

اس لیے میرا فیصلہ تھا کہ جن کہانیوں سے مرکزی خیال لینا ہے، وہ کم تعداد میں شائع ہونے والے رسالے ہوں۔ اس کے بہت سے فائدے ہیں: پہلا تو یہ کہ یہ چھوٹی چھوٹی کچّی پکّی تحریریں بس وہی بچے پڑھتے ہیں جن کی یہ تخلیق ہوتی ہے، دوسروں کو ان سے خاص دل چسپی نہیں ہوتی۔

دوسرا یہ کہ رسالہ گنے چنے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ یہ بہت مشکل ہے کہ ان چنی منّی کہانیوں پر کسی کی نظر پڑے۔

تیسرا یہ کہ اگر سوئیٹر، جرسی یا سوٹ کی سلائی کے ڈیزائن دوسروں سے دیکھ کر نقل کیے جا سکتے ہیں تو میں بھی بس مرکزی خیال لیتا ہوں، تحریر تو میری ہی ہوتی ہے۔ کسی کے پاس کون سا کوئی ثبوت ہو سکتا ہے۔

آپ کی تیز نظر پڑی تو آپ نے رسالے میں خط لکھ دیا۔ میری یہ گزارش ہے کہ یہ جواب آپ کو مطمئن کر چکے ہوں گے، اس لیے آپ رسالے میں نہیں پوچھیں گے کہ آپ کا خط کیوں نہیں شائع ہوا؟

اگر خط شائع ہو بھی جائے تو اس پر یہ ٹھیک نہیں اور یہ بالکل ٹھیک ہے، دونوں پر بحث کا لمبا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ آپ بچوں کو تو معلوم ہی نہیں کہ بحث سے کبھی کچھ حاصل نہیں ہوتا، سوائے دل پھٹنے اور مزید خرابیوں کے !

باہر تقریب کا آغاز ہو چکا تھا۔ ثوبان طاہر صاحب اس سے ہاتھ ملا کر باہر چلے گئے تھے اور منّے میاں سوچوں میں گم۔۔۔ ابھی سوچوں سے نکلیں گے تو نتیجہ اخذ کریں گے۔

ثوبان طاہر صاحب نے یہ ٹھیک کہتے ہیں یا نہیں۔

آپ کا کیا خیال ہے؟؟

# علامہ اقبال اور خودی

حجاب سید

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے • خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے!

علامہ اقبال مرحوم بر صغیر کی فکری و روحانی تاریخ کے وہ عظیم مفکر ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی خودی، ایمان اور غیرتِ ملی کا احساس دوبارہ دلایا۔ انہوں نے اپنی شاعری اور فکر کے ذریعے امتِ مسلمہ کو خوابِ غفلت سے جگایا اور بتایا کہ زندگی کی اصل قوت انسان کے اندر موجود "خودی" کی بیداری میں ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی کوئی فلسفیانہ مغالطہ نہیں، بلکہ ایک قرآنی و روحانی حقیقت ہے۔ وہ انسان کو محض مخلوقِ ناتواں نہیں، بلکہ اشرف المخلوقات اور خلیفۃُ اللہ فی الارض کے طور پر دیکھتے ہیں۔

فلسفۂ خودی کی قرآنی بنیاد اقبال کے تصورِ خودی کی بنیاد قرآن کی اُن آیات پر ہے جو انسان کے بلند مقام اور روحانی ذمہ داری واضح کرتی ہیں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (الاسراء: 70) اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ: 30) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں ان آیات کی روشنی میں اقبال کہتے ہیں کہ انسان اللہ کا نائب ہے، اس کے اندر خالق کی روح پھونکی گئی ہے، لہٰذا وہ محض جسمانی وجود نہیں بلکہ روحانی قوتوں کا امین ہے۔

اقبال اسی خودی کو بیدار کرنے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ انسان اپنے اندر کی الوہی روشنی کو پہچانے اور دنیا میں خیر و عدل کے قیام کا ذریعہ بنے۔

خودی کا مفہوم اقبال کے نزدیک اقبال کے نزدیک "خودی" کا مطلب انانیت یا خودپسندی نہیں، بلکہ احساسِ ذمے داری، شعورِ عبدیت اور ایمان کی پختگی ہے۔

یہ ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو کمزوری، غلامی اور مایوسی سے نکال کر عمل، یقین اور عزتِ نفس کے راستے پر لے آتی ہے۔

ان کے نزدیک خودی وہ جوہر ہے جس سے زندگی میں حرارت، عزم اور کردار پیدا ہوتا ہے۔

خودی ہے تیغ، فساں ہے زندگی اس کی • یہی ہے بندۂ مومن کی شمشیرِ آزمائش

اقبال کے نزدیک خودی دراصل لاالٰہ الااللّٰہ کی عملی تفسیر ہے، کیونکہ جب انسان غیرِ خدا کی نفی کر کے صرف خدا پر یقین رکھتا ہے تو اس کی خودی بیدار ہو جاتی ہے۔

اقبال کا پیغامِ عملا اقبال کا فلسفۂ خودی محض نظریہ نہیں بلکہ عملی انقلاب کی دعوت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان نوجوان اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں، علم و ایمان سے اپنے وجود کو مضبوط کریں، اور دنیا میں عدل، علم اور عمل کے ذریعے اسلام کی روح کو زندہ کریں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنے کشتِ ویراں سے • ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اقبال کا فلسفۂ خودی دراصل قرآنی تربیت کا نچوڑ ہے۔ یہ انسان کو یاد دلاتا ہے کہ وہ غلامی کے لیے نہیں پیدا ہوا بلکہ خلافت اور قیادت کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ جب فرد اپنی خودی پہچان لیتا ہے، تو قومیں جاگ اٹھتی ہیں، اور جب قومیں اپنی خودی کھو دیتی ہیں تو وہ تاریخ کے صفحات سے مٹ جاتی ہیں۔

اقبال کا پیغام آج بھی زندہ ہے: اپنے آپ کو پہچانو، ایمان سے طاقت حاصل کرو، اور اپنے خالق کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنالو۔

# شرارت کا انجام

آمنہ عبدالباسط

"یاہووووو، اب آئے گا مزہ۔ ! جلدی سے دروازے کے پیچھے چھپ جاتی ہوں۔" نئے خیال کے آتے ہی عائزہ کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں اور وہ جھٹ دروازے کے پیچھے جا چھپی۔

ویسے تو آٹھ سالہ عائزہ بہت اچھی اور ذہین بچی تھی۔ ہر کام وقت پہ کرتی اور اسکول میں ہمیشہ ٹاپ کرتی تھی، لیکن اس میں ایک عادت تھی، جس سے سب ہی پریشان رہتے تھے اور وہ عادت تھی نِت نئی شرارت کی ! اسکول کا کام کرتے ہوئے کبھی چھوٹے بھائی کی پینسل چھپا دی اور کبھی بڑی بہن کی کتاب شرارت سے اپنے بیگ میں ڈال لی۔ کبھی کچن میں ایک دَم امی کے پیچھے زور سے چھلانگ ماردی کہ وہ ڈر جائیں اور کبھی اپنے بابا کی ٹوپی، گھڑی اور چشمہ پہن کر سب بچوں کو سیر کرانے پہ تل جاتی کہ بائیک بھی خود چلائے گی، سب اس کے پیچھے بیٹھیں۔

غرض پورا گھر اس کی شرارتوں سے عاجز آ چکا تھا اور ایک دن اس کے بڑے بھائی نے پانی مانگا اور وہ پانی کے گلاس میں سُرخ روشنائی ڈال کر لے آئی۔

"بھیّا! آپ کے لیے شربت بنایا ہے پی لیجیے۔" گھونٹ بھرتے ہی بھیّا کو زور سے اُچھووو لگ گیا تو وہ خود ہنستے ہوئے کمرے سے بھاگ گئی۔

اس کی امی اکثر اسے سمجھاتیں کہ ہر وقت کی شرارت اچھی بات نہیں، اس سے اپنے ساتھ دوسروں کا بھی شدید نقصان ہو سکتا ہے اور اپنے گھر والوں کو تنگ کرنا اچھے بچوں کا شیوہ نہیں۔ وہ ہر بار سوچتی کہ اب کسی کو تنگ نہیں کروں گی، لیکن پھر شرارت کر جاتی۔ آج بھی اس نے جیسے ہی قدموں کی آواز سنی تو پلاسٹک کا ماسک لگایا اور دوڑ کر دروازے کے پیچھے جا چھپی، تاکہ بھوت بن کر بڑی بہن کو ڈرایا جاسکے اور وہ یہی سوچ کر بہت خوش ہوئی تھی کہ آج خوب مزہ آئے گا۔

کچھ دیر گزری بہن تو نہیں آئیں البتہ بھیّا آ کے خالی کمرہ دیکھ کر لائٹ پنکھا بند کر کے دروزہ بھی لاک کر گئے۔ جیسے ہی کمرے میں اندھیرا پھیلا اور اچانک پنکھا لائٹ بند ہو کر دروازہ لاک ہوا تو عائزہ خود ڈر گئی۔ رہی سہی کسر گرمی کے موسم میں پلاسٹک ماسک نے پوری کر دی۔ گھپ اندھیرے میں اسے اپنے ہی ماسک سے ڈر لگ رہا تھا۔ اب عائزہ خوف کے مارے اونچا اونچا رونے لگی اور اس کے منہ سے ایک ہی بات نکل رہی تھی۔

"بچاؤ! بچاؤ! آئندہ کسی کو نہیں ڈراؤں گی۔" اس کی آوازیں سن کر سب کمرے کی طرف دوڑے، مگر جیسے ہی دروازہ کھلا وہ گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔ جلدی سے اسے ہوش میں لایا گیا اور ہوش میں آتے ہی سب کو اپنے گرد دیکھ کر عائزہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی کیوں کہ اس نے ہمیشہ اپنی شرارتوں سے گھر والوں کو تنگ ہی کیا تھا۔ امی جان کے چپ کروانے پہ وہ خاموش ہوئی اور سب سے معافی مانگنے کے بعد ہمیشہ کے لیے شرارت سے توبہ کر لی، کیوں کہ وہ جان گئی تھی کہ "بے وجہ شرارت سے اپنا اور دوسروں کا نقصان ہی ہوتا ہے۔"

# خزاں کا موسم

ماریہ جبران

**نئی زندگی کا پیش خیمہ:** ”خزاں کا موسم“ سال کے چار حسین موسموں میں سے ایک ہے۔ یہ گرمی کے بعد اور سردی سے پہلے آتا ہے۔ جب درختوں کے سبز پتے زرد، نارنجی اور سرخ رنگ میں رنگ جاتے ہیں تو فضا ایک نرالی خوب صورتی اختیار کر لیتی ہے۔ خزاں کے آتے ہی ہوا میں ایک نرمی اور خنکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ سورج کی تپش کم ہو جاتی ہے اور شام ٹھنڈی ہونے لگتی ہے۔ یہ موسم ہمیں قدرت کی جانب سے تبدیلیوں کا احساس دلاتا ہے۔

درختوں کے پتے آہستہ آہستہ سوکھ کر گرنے لگتے ہیں، زمین پر رنگ برنگے پتوں کی چادر بچھ جاتی ہے۔ یہ منظر دل کو سکون دیتا ہے۔ پرندے لمبی پروازوں کی تیاری کرتے ہیں، کچھ علاقوں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ کھیتوں میں فصلیں کٹنے کے قریب ہوتی ہیں اور کسان اگلی بوائی کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔

خزاں کا موسم اگرچہ پودوں اور درختوں کے لیے آرام کا موسم سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ دراصل نئی زندگی کی شروعات کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پتے گرنے کے بعد درخت ایک نئی بہار کے استقبال کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اس موسم میں فضا میں ایک ہلکی سی اداسی بھی محسوس ہوتی ہے۔ شاید اس لیے کہ خزاں ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ دنیا کی ہر چیز عارضی ہے، ہر سبز پتا کبھی نہ کبھی زرد ہو جاتا ہے۔

**خزاں کے رنگ اور احساسات:** خزاں صرف موسم کا نام نہیں بلکہ ایک احساس کا نام ہے۔ یہ ہمیں تبدیلی، وقت کے گزرنے اور نئے آغاز کی یاد دلاتی ہے۔ شاعر اور ادیب اکثر خزاں کے مناظر کو اپنی تحریروں میں استعمال کرتے ہیں۔ اردو شاعری میں خزاں کا ذکر اداسی، تنہائی اور وقت کے بدلنے کی علامت کے طور پر ملتا ہے، لیکن حقیقت میں خزاں ہمیں سکھاتی ہے کہ ہر اختتام کے بعد ایک نئی شروعات ضرور ہوتی ہے۔

خزاں کا موسم صحت کے لیے بھی اچھا سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ نہ بہت گرمی ہوتی ہے نہ بہت سردی۔ لوگ شام کے وقت سیر کے لیے نکلتے ہیں۔ بچوں کے لیے خزاں کا موسم خوشی کا باعث ہوتا ہے، وہ زمین پر گرے پتوں سے کھیلتے ہیں۔

قدرت کے اس حسین تحفے میں رنگ، خوش بو اور سکون تینوں شامل ہیں۔ خزاں ہمیں صبر، برداشت اور وقت کے بہاؤ کو قبول کرنے کا درس دیتی ہے۔ جب ہم خزاں کے زرد پتوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یاد آتا ہے کہ زندگی بھی موسموں کی طرح بدلتی رہتی ہے۔

**خوشیوں کے استقبال کا موسم:** آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خزاں کا موسم اگرچہ بظاہر زوال کا موسم ہے، لیکن درحقیقت یہ تجدید اور نئے آغاز کی علامت ہے۔ جیسے درخت خزاں کے بعد دوبارہ سرسبز ہو جاتے ہیں، ویسے ہی انسان بھی مشکلات کے بعد خوشیوں کے موسم کا استقبال کر سکتا ہے۔

# دانتوں پر جمی سخت جراثیمی تہ کیسے صاف ہو؟

ڈاکٹر قدسیہ

**تعارف:** منہ کے پیچیدہ ماحولیاتی نظام میں ایک خوردبینی جنگ جاری رہتی ہے، جو صحت اور بیماری کے درمیان نازک توازن کو تشکیل دیتی ہے۔ اس نظام کی بنیاد دانتوں کی تختی (dentalplaque) اور بیکٹیریل بایو فلم ہے، جو پیریوڈونٹل بیماریوں کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ کثیر پہلو اور متحرک عمل بے شمار مائیکروبیل تعاملات اور مدافعتی ردِّعمل پر مشتمل ہوتا ہے، جو اگر بگڑ جائے تو پیریوڈونٹل بیماریوں کا باعث بن سکتا ہے۔

منہ کا ماحولیاتی نظام ایک متنوّع اور متحرک مائیکروبیل کمیونٹی رکھتا ہے، جسے oral microbiome کہا جاتا ہے۔ یہ نظام منہ کی صحت اور بیماری کے درمیان نازک توازن کو قائم رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اس توازن کو برقرار رکھنا دانتوں کی بیماریوں کو روکنے اور مجموعی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے نہایت اہم ہے۔

دانتوں کی تختی (dental plaque)، جو مائیکرو آرگنزمز کے دانتوں کی سطح سے چپکنے کے نتیجے میں بنتی ہے، پیریوڈونٹل بیماری کی ابتدائی شکل ہے۔ تختی کی تشکیل کا عمل اس وقت شروع ہوتا ہے جب ابتدائی بیکٹیریا (بالخصوص اسٹریپٹوکوکس) دانتوں کی سطح پر ایک پتلی پرت کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔ یہ بیکٹیریا اپنے ارد گرد موجود دیگر جرثوموں کو بھی متوجہ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک پیچیدہ بایو فلم تشکیل پاتا ہے۔

یہ بایو فلم مختلف جرثوموں کے درمیان قریبی تعلقات اور کوآرڈینیشن پیدا کرتا ہے۔ یہ جرثومے ایک دوسرے کے ساتھ معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں، اپنی بقا کو یقینی بناتے ہیں اور میزبان (host) کے مدافعتی نظام سے بچاؤ کے لیے نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ نتیجتاً یہ بایو فلم ایک محفوظ پناہ گاہ بن جاتا ہے جو پیریوڈونٹل بیماری کے بڑھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

**بایو فلم کا ارتقاء:** ابتدائی طور پر یہ تختی نرم اور ہٹانے میں آسان ہوتی ہے، مگر جیسے جیسے وقت گزرتا ہے یہ سخت ہو کر کیلکولس میں بدل جاتی ہے، جسے ہٹانا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی سخت بایو فلم اور کیلکولس پیریوڈونٹل بیماریوں کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

بایو فلم کا یہ سہ جہتی اور منظّم ڈھانچا مدافعتی نظام کے لیے ایک چیلنج ہوتا ہے، کیوں کہ یہ نقصان دہ بیکٹیریا کو پنپنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کے اندر موجود جرثومے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے ہیں، اپنے دفاع کو مضبوط بناتے ہیں اور میزبان کے مدافعتی ردِّعمل کو دباتے ہیں۔

**بیماری کی طرف پیش رفت:** پیریوڈونٹل بیماری کا پہلا مرحلہ جنجیوائٹس (gingivitis) ہے، جس میں مسوڑھوں کی سوزش بایو فلم کی موجودگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس مرحلے پر علاج ممکن اور مؤثر ہے، لیکن اگر اسے نظرانداز کر دیا جائے تو یہ پیریوڈونٹائٹس (periodontitis) میں بدل جاتا ہے، جہاں سوزش گہرے ٹشوز تک پھیل جاتی ہے اور دانتوں کی بنیاد متاثر ہو جاتی ہے۔

**خلاصہ:** منہ کا بایو فلم ایک پیچیدہ اور منظّم مائیکروبیل ڈھانچہ ہے، جو صحت اور بیماری کے درمیان توازن کو متاثر کرتا ہے۔ اس کا وقت پر خاتمہ نہ صرف مسوڑھوں کی بیماریوں کو روکتا ہے بلکہ مجموعی صحت کے لیے بھی اہم ہے۔

# عزم

فاکہہ قمر

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ سر ہمیں سمجھتے کیا ہیں۔" ولی غصے سے میز پر مکا مار کر کہتا ہے۔

"ہاں، بندہ ان سے پوچھے ہم کوئی مشین ہیں جو پوری مشق وہ بھی اتنی لمبی اور مشکل ایک ہی دن میں حل کرلیں۔" زیان بھی ولی کے ساتھ اپنے دل کا غبار نکال رہا تھا۔

ریاضی کے پیریڈ کے بعد بہت سے بچے غصے و پریشانی کی کیفیت میں جھنجھلا رہے تھے۔

"ہم پرنسپل سر سے ان کی شکایت کریں گے۔" موسیٰ نے بھی اپنا ارادہ بتایا۔

موسیٰ کی بات سے بہت سے بچوں نے اکتفا کیا اور پھر مل کر ایک درخواست لکھی، جس میں سر علی کے خلاف گن گن کر باتیں لکھی گئیں اور آخر میں اپیل کی گئی کہ ان کی جگہ کسی اچھے اور رحم دل استاد کو ان کے ریاضی کا استاد مقرر کیا جائے۔

سب نے مل کر درخواست تو لکھ لی تھی، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ پرنسپل سر کے کمرے تک جائے اور ان کو یہ درخواست دے۔

کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ ہوا کہ کچھ بچے نظر رکھیں گے پرنسپل آفس پر جیسے ہی پرنسپل کمرے سے باہر نکلیں گے تو خاموشی سے ان کے آفس ٹیبل پر یہ درخواست رکھ دی جائے گی۔

اِدھر پرنسپل سر اسکول کے دورے پر نکلے، اُدھر جماعت ہفتم کے لڑکوں نے چپکے سے درخواست میز پر رکھی اور دوڑ لگادی۔

پرنسپل سر کی واپسی پر میز پر موجود کاغذ ان کا منتظر تھا، جس کو پڑھ کر انھیں کافی افسوس ہوا۔

پرنسپل سر فوری طور پر ہفتم جماعت میں پہنچے۔

"آپ کی درخواست نے مجھے بہت حیران اور مایوس کر دیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ سر علی ہمارے اسکول کے بہت ہی قابل اور با اعتماد استاد ہیں، پھر آپ کو ان سے کیا شکایت ہے؟" پرنسپل صاحب نے پوچھا۔

ولی جو شدید غصے میں تھا، اُس نے ہمت کر کے آگے بڑھ کر کہا۔

"سر! ہمیں ان سے بس یہی شکایت ہے کہ وہ ہماری طاقت اور سوچ سے بڑھ کر ہمیں کام دیتے ہیں، جو ہمارے بس کا نہیں ہے۔" ولی نے پوری جماعت کا اجتماعی مسئلہ بتایا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" پرنسپل صاحب نے حیرت سے کہا۔

"سر یہ دیکھیں! ہمیں پوری مشق ملی ہے آج، آپ خود بتائیں کہ ہم کیسے کر سکتے ہیں اتنا سب۔" ولی کے ساتھ باقی بچوں نے بڑھ چڑھ کر بتایا۔

"دیکھا جائے تو یہ اتنا سنگین یا شدید مسئلہ نہیں ہے۔ صرف چھ سوال تو ہیں اور ویسے بھی استاد ہمیشہ اپنے بچوں کو پُر عزم بناتا ہے، تاکہ وہ زندگی کا بھرپور انداز میں مقابلہ کر سکیں۔ اس بارے میں ایک شاعر نے اپنے شعر کے ذریعے کیا خوب کہا ہے

ہے احترام اس معلّم کا سب پہ لازم　　جس کی رہنمائی سے بنتا ہے ہر عزم

بچو! استاد آپ کا دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ مستقبل کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اپنے بچوں کو وقت سے پہلے تیار کرتا ہے، تاکہ وہ بہادری سے ہر قسم کے معاملات کا مقابلہ کر سکیں۔

آپ سب بھی اپنا دل سر علی کی طرف سے صاف کر لیں، وہ آپ کے دشمن نہیں دوست اور محسن ہیں جو کہ آپ کو صرف اور صرف کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔" پرنسپل کی بات سن کر بچوں کو اپنی جذباتی حرکت پر شرمندگی ہو رہی تھی اور اب وہ سب دل سے سر علی کے لیے دعاگو تھے جو ان کو مستقبل کے لیے بہتر رہنمائی سے نئے عزم کے لیے تیار کر رہے تھے، لیکن وہ ناسمجھ یہ سمجھ ہی نہ سکے۔

# جنت کا پھول

آمینہ فلک

کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو وقت بھی نہیں بھر پاتا اور کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں جو کبھی بھلائے نہیں جاتے۔

جب معصومیت کا گلاب خون میں بھیگ جائے تو دنیا کی ہر خوش بو بے معنی لگتی ہے۔ کبھی کوئی دن تاریخ میں صرف دن نہیں رہتا، وہ دلوں میں ایک درد بن کر پلتا ہے۔ سانسوں میں ایک کسک بن کر جیتا ہے۔ 5 ستمبر 2025 کو جمعہ کی صبح ایک ماں نے اپنے معمول کے مطابق اپنے لختِ جگر کو اٹھایا، ناشتا کروایا اور اسکول کی تیاری کروائی، لیکن اسے کیا خبر تھی کہ اس کا یہ آخری ناشتا ہے۔ ویسے بھی پانچ ستمبر جمعے کی وہ صبح عام نہ تھی۔ ہوا میں وہ تازگی تھی نہ دل میں وہ اطمینان جو ایک ماں صبح سویرے محسوس کرتی ہے۔

وہ بچہ جو ہر روز ہنسی، خوشی ضد اور شرارت کے ساتھ اسکول جاتا تھا، آج کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ چہرے پر خاموشی، آنکھوں میں اداسی اور لہجے میں انجان سا درد چھپا تھا۔ امی اسکول نہیں جانا، آج چھٹی ہے۔ آپ موبائل چیک کریں، ٹیچر کا میسج ہوگا چھٹی ہے۔

ماں نے محبت سے سمجھایا: "بیٹا! آج جمعہ ہے، جلدی چھٹی ہو جائے گی" تو وہ خاموش ہو گیا، بیگ اٹھایا اور دروازے کے پاس پہنچ کر کہتا ہے "ماما جس طرح بچپن میں لاڈ کرتی تھیں، اسی طرح آج بھی کریں نا۔۔۔!!" ماں تھوڑی سی ٹھٹھکی، پھر اس کے ساتھ لاڈ کیا اور وہ اسکول چلا گیا۔ وہ ماں اپنے بچے کو اسکول بھیجتے ہوئے یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ الوداعی لمس آخری لمس ہوگا، اس چھوٹے سے بوسے میں ہزاروں دعائیں، امیدیں اور تمنائیں چھپی ہوتی ہیں۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ خبر دی کہ آپ کے بچے کا سڑک پار کرتے ہوئے ایکسیڈینٹ ہو گیا ہے۔ ماں کی تو جیسے سانس ہی رک گئی ہوں اور پاؤں تلے سے زمین کھسکنے لگی ہو۔

جس بچے کو ابھی دروازے سے الوداع کیا تھا، اب اُسی کے لیے دروازہ کھولنا قیامت بن گیا۔

آنسو بہنے سے پہلے دل چیخ اٹھا اور بے ساختہ منہ سے یہ نکلا کہ "میرا بچہ تو ابھی اسکول گیا ہے۔"

ماں کی ساری دعائیں اور التجائیں اُس لمحے سوال بن گئیں۔۔۔ اور جواب... صرف ایک خاموش کفن تھا۔۔۔ جنازوں پر تو پھول دیکھے تھے، پہلی بار ایک پھول کا جنازہ دیکھا تھا۔

باپ کی محبت اکثر خاموش ہوتی ہے، مگر وہ خاموشی گہرے سمندر کی طرح گہری اور وسیع ہوتی ہے، جب اس کا بیٹا اچانک حادثے کا شکار ہو کر دنیا چھوڑ دے۔ وہ درد لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ وہ باپ جو اپنے بچے کو انگلی پکڑ کر چلنا سیکھاتا ہے، اس کا اس طرح اچانک بچھڑ جانا انسان کو اندر سے توڑ دیتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک اداسی چھپی ہوتی ہے اور اس کے دل میں ایک خلا سا رہ جاتا ہے جو کہ وقت کے ساتھ کبھی بھی نہیں بھرتا۔۔۔ پانچ ستمبر 2025 ایک تاریخ جو صرف کیلنڈر میں نہیں، دل کے زخموں پر نقش ہو گئی۔

دلاسا دیتے ہوئے لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ہم ایک پھول نہیں کائنات ہارے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے جنازے بہت بھاری ہوتے ہیں۔

یہ صرف جسم نہیں، ماں کی سانسیں اٹھتی ہیں۔ کفن میں لپٹے خواب، ہنسی اور معصومیت۔۔۔ قبر میں صرف بچہ نہیں،

ایک دنیا دفن ہوتی ہے۔۔۔!!!

# بچوں کے فن پارے

اسما کنول 14 سال لاہور

بلال 11 سال لاہور

خدیجہ دانش 8 سال کراچی

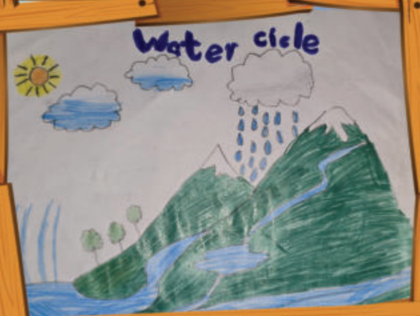


حسین احمد خان ، دوم ، 7 سال کراچی

فاطمہ اویس ، 9 سال ،ریاض سعودی عرب

سبیحہ یونس 11 سال ، لاہور

محمد ذاکر 9 سال چترال

ماریہ جبران 10 سال کراچی

**ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ شنکیاری مانسہرہ سے عنبر عروج کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)**

# چھوٹی بات بڑا پیغام

پیارے بچو!

نومبر کی ٹھنڈی ہوا اور صاف آسمان میں جب ستارے چمکتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے آسمان علامہ اقبال رحمہ اللہ کا یہ مصرعہ گنگناتا ہو: "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔" یعنی جس دل میں خواب ہوتے ہیں، اور وہ ان پر یقین و محنت کے ساتھ آگے بڑھتا ہے، اس کے لیے زمین تو زمین، آسمان بھی اپنے دروازے کھول دیتا ہے۔

پیارے بچو!

آپ بھی خواب دیکھیں ___ خود کو اچھا انسان بنانے کے، پیارے پاکستان کی ترقی کے، امتِ مسلمہ کے عروج کے۔ اور پھر اپنے خوابوں کو سچا بنانے کے لیے دعا اور محنت کا ہتھیار تھام لیں، ہمت کے ساتھ آگے بڑھیں۔ یاد رکھیں! دنیا اُنھیں کی ہوتی ہے جو ہار نہیں مانتے۔

آئیے، اس نومبر ہم سب مل کر عزم کریں کہ ہم اقبال کے شاہین بنیں گے، ستاروں سے آگے بڑھیں گے!

**اکتوبر 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کہروڑ پکا لودھراں سے رومیصا حامد کو شاباش انھیں 300 روپے مبارک ہوں**

## بلاعنوان کا عنوان

اکتوبر 2025 کے ماہ نامہ فہم دین میں عائشہ انیس کی بلاعنوان کہانی شائع ہوئی تھی، اس تحریر کو عنوان دینے کی مہم میں متعدد قارئین نے حصہ لیا۔ **چترال سے حلیمہ مفتاح** کا عنوان بہترین قرار پایا، انھیں 300 روپے انعام مبارک ہو، ان کا عنوان تھا: **نرالا دکھاوا**

## سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کرلیں:

tabeer1387@gmail.com

+923351135011

# ماہنامہ فہم دین نومبر 2025ء کے سوالات

سوال 1: جنگل پر کون قبضہ کرنا چاہتا تھا؟

سوال 2: شیرازی کبوتر کا حسب کیا ہے؟

سوال 3: حسان کے گاؤں کا کیا نام تھا؟

سوال 4: پانڈا کیوں بیمار ہوا؟

سوال 5: نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق مسکرانا کیا ہے؟

---

یہ سوالات اکتوبر 2025 کے فہم دین سے لیے گئے ہیں۔

جوابات کی آخری تاریخ 15 نومبر 2025ء ہے

## اکتوبر 2025ء کے سوالات کے جوابات

1- بار بار حملہ کرنے والا شیر

2- لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

3- لوگوں کی مدد کرنے

4- اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک

5- جھوٹ

# ہوا ہم پہ کتنا کرم

حافظ وسطیٰ چودھری

ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ — بنے پاسبانِ حرم، اللہ اللہ
کھلا ہم پہ در کیسا، دیکھو عطا کا — نبھانا ہے اب عہد ہم کو وفا کا
بھلا اِس عنایت کے قابل کہاں تھے؟ — محافظ بنائے گئے ہیں وہاں کے
جہاں خاک بھی محترم، اللہ اللہ — ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ
ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ — بنے پاسبانِ حرم اللہ اللہ

جری، جاں نثار اور جاں باز بن کر — مقابل کھڑے ہوں گے، دشمن کے تن کر
ہے گرماتا یہ ولولہ بھی لہو کو — چٹا دیں گے ہم دھول اِک دن عدو کو
یہ جذبہ نہ ہو پائے کم، اللہ اللہ — ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ
ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ — بنے پاسبانِ حرم، اللہ اللہ

حفاظت ہے کرنی ہمیں، اُس زمیں کی — جہاں پر رہائش تھی، صادق امیں کی ﷺ
وہ جس جا، دو عالم کے مالک کا گھر ہے — ہمیں کر دیا سونپ کے، معتبر ہے
خوشی سے ہیں آنکھیں یہ نم، اللہ اللہ — ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ
ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ — بنے پاسبانِ حرم، اللہ اللہ

برا جو ارادہ یہاں لے کے آئے — ہمارے وہ ہاتھوں سے بچ کر نہ جائے
اٹھا سر نہ پائے گا پھر کوئی فتنہ — یہ خدمت، سعادت ہے، اعزاز کتنا
لکھے کیا ہی وسطیٰ قلم، اللہ اللہ — ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ
ہوا ہم پہ کتنا کرم، اللہ اللہ — بنے پاسبانِ حرم، اللہ اللہ

# سب ایک ہو جاؤ

حافظہ سویرا چودھری

نہ رنگوں اور فرقوں کو ذرا خاطر میں تم لاؤ
مٹا کر رنجشیں ساری ہی تم سب ایک ہو جاؤ

محبت کا سمندر بن کے نفرت کو بجھا دو تم
ہے طاقت متّحد ہونے میں، عالم کو بتا دو تم

تمہارے مل کے رہنے میں ہی عزت ہے، عزیمت ہے
وگرنہ پھر سراسر ہی حماقت اور ہزیمت ہے

اخوت میں جو قوت ہے وہ قدموں کو جماتی ہے
یہ وحدت ہی تو باطل کو ڈراتی ہے، بھگاتی ہے

نہ رنگوں اور فرقوں کو ذرا خاطر میں تم لاؤ
مٹا کر رنجشیں ساری ہی تم سب ایک ہو جاؤ

تمہارے باہمی جھگڑوں سے فتنے سر اٹھاتے ہیں
جو اِس ملت کو گہرے زخم بھی پھر دے کے جاتے ہیں

تمہیں امت کا یہ نقصاں بھلا کیوں کر گوارا ہے؟
تمہارے ایک ہونے میں ہی دشمن کا خسارا ہے

جو تم شِیر و شکر ہو جاؤ، عمدہ کام ہو جائے
خدا بھی راضی ہو جائے، عدو ناکام ہو جائے

نہ رنگوں اور فرقوں کو ذرا خاطر میں تم لاؤ
مٹا کر رنجشیں ساری ہی تم سب ایک ہو جاؤ

بچو تم ایسے انساں سے، جو تم میں تفرقہ ڈالے
بظاہر اہلِ ایماں ہو، وہ دل میں کینہ بھی پالے

تمہیں آپس میں لڑوانے کی جو سازش پرانی ہے
کبھی مذہب، کبھی مسلک، مٹانی یہ کہانی ہے

بہت عیّار ہے دشمن، نہ ہرگز بے ضرر جانو
ضرورت ہے سویرا اب کہ ان چالوں کو پہچانو

نہ رنگوں اور فرقوں کو ذرا خاطر میں تم لاؤ
مٹا کر رنجشیں ساری ہی تم سب ایک ہو جاؤ

# قلم پارے

ترتیب: محمود سیماب

## میں قبر ہوں

محمد احمد کراچی

میں نے بادشاہوں کو بھی نگلا اور فقیروں کو بھی، ہنستے بستے چہروں کو مٹی میں ملا دیا اور معصوم بچوں کو بھی ماں کی گود سے چھین لیا۔ بظاہر خاموش ہوں، مگر حقیقت میں ہر جنازے کے ساتھ چیختی ہوں اور تمھیں پکارتی ہوں:

تیار ہو جاؤ! تمھاری باری آنے والی ہے۔ وہ چہرہ جسے تم روز سنوارتے ہو، کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے وہ آواز جو لوگوں کو متاثر کرتی تھی، ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گی۔ اس اندھیری تنہائی میں تم رہو گے اور تمھارے اعمال۔

ماں باپ، دوست احباب رفتہ رفتہ اپنی دنیا میں مگن ہو جائیں گے فقط میں تمھاری ہم نشیں رہوں گی۔

## زندگی

نعیمہ احمد ملتان

زندگی ایک حسین سفر ہے، جس میں کبھی خوشیاں ہیں اور کبھی اداسیاں۔

کبھی ہنسی کے جھونکے دل کو بہلاتے ہیں اور کبھی آنسو یہ یاد دلاتے ہیں کہ وقت ایک سا نہیں رہتا۔

زندگی ہمیں ہر دن ایک نیا سبق دیتی ہے — کبھی صبر کا، کبھی شکر کا۔

اصل زندگی وہ نہیں جو سانسوں میں ناپی جائے، بلکہ وہ ہے جو کسی کے دل میں اپنی خوشبو چھوڑ جائے۔

اس لیے مسکراتے رہنا چاہیے، چاہے دل بھرا ہوا ہو، کیونکہ شاید تمھاری مسکراہٹ کسی کے دن کو روشن کر دے اور ہاں مسکراہٹ صدقہ بھی تو ہے۔

## صفائی کا فائدہ

ڈاکٹر قدسیہ کراچی

اچانک گاؤں میں بیماری پھیلنے لگی۔ کئی لوگ کھانسی، بخار اور پیٹ کی تکلیف میں مبتلا ہو گئے، لیکن ماریہ اور اس کے گھر والے بالکل صحت مند رہے۔ سب حیران تھے کہ ان کے گھر کے لوگ بیمار کیوں نہیں ہوئے؟

گاؤں کے ایک بڑے بزرگ نے بتایا:

”یہ سب صفائی کی برکت ہے، جو لوگ اپنے گھروں کو صاف رکھتے ہیں اور ہاتھ دھونے کی عادت ڈالتے ہیں، وہ زیادہ تر بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔“

اس کے بعد سب لوگ ماریہ کے گھر کی طرح صفائی کرنے لگے۔ بیماری کم ہوتی گئی اور سب صحت مند رہنے لگے۔

## عرق النسا اور ایک مغالطہ

نجم عالم کراچی

نَسا ایک رگ کا نام ہے، یہ رگ کمر کے نچلے حصے سے شروع ہو کر ٹخنے تک جاتی ہے۔ یہ رگ مرد و خواتین دونوں میں ہوتی ہے اس لیے عرق النَّسا کو عورتوں کی بیماری کہنا صحیح نہیں خواتین کے لیے عربی لفظ ”نِساء“ ہے، جس میں ن کے نیچے زیر ہے اور آخر میں ہمزہ ہے اور ”عرقُ النَّسا“ میں ن پر زبر ہے اور آخر میں ہمزہ نہیں۔

بعض لوگ اسے عَرق النسا کہتے ہیں، جب کہ یہ ع کے زیر کے ساتھ ہے۔ عَرق اگر ع پہ زبر کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں: نچوڑ جس سے عَرقیات بنا ہے، جیسے عَرقِ گلاب، عرقِ بادیان وغیرہ۔

جب کہ ”عِرقُ النَّسا“ میں عِرق ع کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ ع کے نیچے زیر کے ساتھ عِرق کے معنی ہوتے ہیں: رگ۔۔۔!!

# سناٹے میں گونج

قارئین کے پسند کردہ اشعار کا سلسلہ

پاپ کی وادی میں لازم ہے، اَماں کے واسطے
سانپ کی تصویر بھی گھر میں سجانی چاہیے

شاعر: مقبول ویرے مرحوم، انتخاب: لطیف ارجمند حیدر آباد

میرے سینے میں نہیں تو تیرے سینے میں سہی
ہو کہیں بھی آگ لیکن آگ جلتی چاہیے

شاعر: دشینت کمار، انتخاب: رشید احمد جہلم

رنگِ محفل چاہتا ہے اک مکمل انقلاب
چند شمعوں کے بھڑکنے سے سحر ہوتی نہیں

شاعر: قابل اجمیری، انتخاب: سمیّہ پروین کراچی

ستونِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

شاعر: مجروحؔ سلطان پوری، انتخاب: عفّت سیماب کراچی

انقلاب صبح کی کچھ کم نہیں یہ بھی دلیل
پتھروں کو دے رہے ہیں آئینے کھل کر جواب

شاعر: حنیف ساجد، انتخاب: عقیل حامد کراچی

جو ایک پل کے لیے خود بدل نہیں سکتے
یہ کہہ رہے ہیں کہ سارا جہاں بدل ڈالو

شاعر: مظفّر علی سیّد، انتخاب: مبینہ حمید کراچی

# ایک سچا واقعہ

حفصہ محمد فیصل

عمر، احسن اور نافع پکنک کا پروگرام بنا رہے تھے۔

عمر: ”واٹر پارک چلتے ہیں۔“

احسن: ”فارم ہاؤس زیادہ لطف دیتا ہے۔“

”السلام علیکم!“ یہ عمامہ باندھے ڈاڑھی سجائے پانچ نوجوان تھے۔

”پیارے بھائیو! ہم اللہ کے دین کی دعوت لے کر آئے ہیں۔ اللہ سے جڑ جائیے، اسے راضی کر لیجیے، کیوں کہ جو بھی کچھ ہوتا ہے، فقط اللہ سے ہی ہوتا ہے، ماسوا کسی سے کچھ نہیں ہوتا۔“

اگلے روز:

”السلام علیکم“

آپ کے تیسرے ساتھی نظر نہیں آ رہے اور یہ شامیانہ؟“

”عمر چلا گیا۔“

”کہاں؟“

”اللہ کے حضور!“

”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کیسے۔۔۔؟“

آپ لوگوں سے ملنے کے بعد وہ ایک ہی جملہ دہراتا رہا تھا: ”سب کچھ بس اللہ سے ہی ہوتا ہے“ روتے ہوئے سجدے میں گرا اور اس کا دل بند ہو گیا۔

آگہی کے ایک پل نے نشتر چلا دیے
دل سہ نہ سکا ہجرِ یار اور ہار گیا

# قلم کی امانت

حجاب سیّد، کراچی

قلم صرف سیاہی نہیں بہاتا، یہ امانت بھی ہے۔ اس سے نکلا ہر لفظ دلوں کو جوڑ بھی سکتا ہے اور توڑ بھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایک تحریر نے انقلاب برپا کیا اور ایک تحریر نے نسلوں کو گمراہ کر دیا۔ اقبالؒ نے کہا تھا: قلم کا صحیح استعمال ہی قوموں کی تقدیر لکھتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے قلم کو حق، خیر اور صداقت کے لیے وقف کریں۔ یہی قلم جب عدل، علم اور اخلاص کا ترجمان بنے گا تو آنے والی نسلیں روشنی میں چلیں گی۔

قلم امانت ہے سنبھال اس کو ذرا
یہی لکھے گا تیری تقدیر سرا

# کسبِ حلال کی فضیلت

عذرا خالد (کراچی)

حضرت محمد ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے کہ ”جو شخص لگاتار حلال کی روزی کماتا ہے اور حرام کے لقمے کی آمیزش نہیں ہونے دیتا، اللہ اس کے دل کو اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری ہو جاتے ہیں۔“

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ”جب آدمی حلال غذا کا پہلا لقمہ کھاتا ہے تو اس کے پہلے کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو شخص حلال روزی کی تلاش میں ذلت کی جگہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔“ (احیاء العلوم)

مختصر و پر اثر تحریروں کا سلسلہ، ہر ماہ ایک منتخب قلم پارے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔ نومبر میں تحریر سچا واقعہ انعام کے لیے منتخب ہوا ہے

# بیت السلام اولمپیاڈ

## اتحاد اور تعمیرِ وطن کا نشانِ منزل

BAITUSSALAM LYMPIAD
CELEBRATING THE SPIRIT OF UNITY

احمد سلطان

بیت السلام اولمپیاڈ بہ ظاہر ایک سالانہ تفریحی پروگرام ہے جو تعلیمی اداروں کے طلبہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتا ہے، لیکن اس کا مرکزی خیال، اس کا انداز اور اس کے تیر بہدف فوائد پر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا ایسا منفرد پروگرام ہے جہاں طلبہ نہ صرف اپنی تعلیمی اور تفریح سے جڑی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ اعلیٰ انسانی اقدار کا عملی نمونہ بھی پیش کرتے ہیں اور بیت السلام اولمپیاڈ محض کھیلوں کا مقابلہ یا علمی مباحثہ و مذاکرہ نہیں، بلکہ ان دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ اولمپیاڈ کے اکیڈمک مقابلوں میں عربی، اردو اور انگریزی میں تقاریر، کوئز، سائنسی، بیت بازی سمیت متعدد علمی مقابلے اور سرگرمیاں شامل ہیں جو طلبہ کی ذہنی، فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کو جِلا بخشتی ہیں اور اسپورٹس مقابلوں میں طلبہ جسمانی پھرتی، ٹیم ورک اور اسپورٹس مین اسپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بیت السلام اولمپیاڈ کا اصل جوہر اس کے مقابلوں میں جیت یا ہار سے کہیں بلند ہے اور وہ ہے اس کا مرکزی خیال جو اُن بنیادی اقدار پر مشتمل ہے جن پر دراصل ایک مضبوط اور فلاحی ریاست کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہ مرکزی خیال درج ذیل ستونوں پر استوار ہے:

- **اتفاق و اتحاد:** طلبہ کو یہ سکھانا کہ باہمی اختلافات کے باوجود مشترکہ مقاصد کے لیے متحد ہونا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔
- **وطن سے محبت:** نوجوانوں کے دلوں میں حب الوطنی کا جذبہ بیدار کرنا اور انہیں یہ احساس دلانا کہ ان کی انفرادی اور اجتماعی ترقی ان کے وطن کی ترقی سے وابستہ ہے۔
- **ایک دوسرے کی خبر گیری:** معاشرے میں ہمدردی، ایثار اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کے جذبے کو فروغ دینا۔

بیت السلام اولمپیاڈ محض ایک ایونٹ نہیں، بلکہ ایک تحریک ہے۔ یہ ایک ایسی نرسری ہے جہاں پاکستان کے مستقبل کے معماروں کی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت کی جارہی ہے۔ 2016ء سے جاری یہ سفر اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر نوجوانوں کو صحیح رہنمائی اور مثبت پلیٹ فارم مہیا کیا جائے تو وہ نہ صرف اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں بلکہ ایک متحد، باشعور اور محبِ وطن قوم کی تشکیل میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کر سکتے ہیں۔

2025ء کا ایونٹ جمعرات 6 نومبر سے اتوار 16 نومبر تک جاری رہے گا۔ تین سو سے زیادہ اسکولوں کے تین ہزار سے زیادہ طلبہ تیس سے زیادہ اکیڈمک اور اسپورٹس مقابلوں میں حصہ لیں گے۔ حسب سابق تمام اکیڈمک اور اسپورٹس مقابلے انٹیلکٹ اسکول (کورنگی) میں منعقد ہوں گے۔

اختتامی انعامی تقریب منگل 18 نومبر کو معین خان اکیڈمی میں ہوگی, ان شاءاللہ! جس میں پوزیشن ہولڈر، انفرادی اور اجتماعی بہترین کارکردگی والے طلبہ کو انعامات دیے جائیں گے۔ اس تقریب میں سیاسی سماجی اور تجارتی حلقوں کی نامی گرامی شخصیات شریک ہوں گی۔

# بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائرکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ

J.
FRAGRANCES
LUMINOUS
Sea. Sun. Scent.
LUMINOUS
J.
www.junaidjamshed.com
JDotCosmetics
JDotCosmetics
@JDotCosmetics
JDotCosmetics